نشاط انصاری

نام کتاب ——— حبہ خاتون

مصنف ——— نشاط انصاری

تعداد ——— ۵۰۰

سال اشاعت ——— ۱۹۹۶ء

قیمت ——— ۵۵ روپیہ

طابع ——— جے کے آفسیٹ پرنٹرس دہلی

خوشنویس ——— قاضی عاشق حسین، سوپور

سرورق ——— شجاع سلطان

ناشر ——— نشاط پبلی کیشنز دلنہ

باہتمام ——— دائرہ ادب، دلنہ

کتاب ملنے کے پتے:

کاشانۂ تنہا انصاری، دلنہ بارہمولہ

کالج بک شاپ، بارہمولہ

کتاب گھر (کلچرل اکادمی) مولانا آزاد روڈ سرینگر

کتاب گھر (کلچرل اکادمی) کنال روڈ جموں

"حبیبہ" جو حبّہ خاتون
بن کر اُبھری، کی رُوح
کو عقیدت کا نذرانہ

حبّہ خاتون کے نغمات سے برسی ہوئی ہے
اب بھی پیمانہ ہر گُل سے چھلک جاتی ہے

—— (وحید اختر)

یہ کتاب ریاستی کلچرل اکادمی کی تھوڑی بہت مالی اعانت سے شایع کر دی گئی جس کے لئے میں اس ادارے کا شکر گزار ہوں۔ —— (النشاط)

# ترتیب

# پیش گفتار

مینو سواد وادیٔ کشمیر کی نورِ جہاں ملکہ حبہ خاتون کی زندگی سے متعلق جو ڈراما
شری جگن ناتھ ولی نے ۱۹۵۱ء کے دوران تصنیف کر کے منظرِ عام پر لایا تھا، اُس
نے پہلی بار کشمیر اور بیرونِ کشمیر کے ہر طبقۂ خیال اور اربابِ علم و نظر پر واضح کر دیا
کہ حبہ خاتون نہ صرف ایک دانش ور ملکہ تھی بلکہ اپنے عہد کی ایک تاریخ ساز، بلند پایہ
اور باکمال رومانی شاعرہ بھی اور اعلیٰ پایہ کی ماہرِ موسیقی بھی۔ شیری ولی کی تخلیق (تصنیف)
نزون کا مطالعہ میں نے اُس وقت کر لیا تھا جب وادیٔ کشمیر میں پہلی بار بخشی غلام محمد
کی وزارت کے دوران "جشنِ کشمیر" منانے کی طرح ڈال دی گئی تھی اور یہ زمانہ تھا ۱۹۵۶ کا

ٹیچرز ٹریننگ سکول سوپور، کشمیر، جو آج کل ڈسٹرکٹ انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن
(ڈی۔ آئی۔ ای) کے نام سے جانا جاتا ہے کے اساتذہ زیرِ تربیت نے جشنِ کشمیر
کمیٹی سوپور کے اصرار پر ڈراما حبہ خاتون اسٹیج کیا، جس کی ڈائریکشن جناب تنہا انصاری
(مرحوم) پرنسپل ٹیچرز ٹریننگ سکول سوپور نے خود فرمائی تھی۔ اس ڈراما میں دوسرے
حصہ لینے والوں کے ساتھ ایک زیرِ تربیت اُستاد کی حیثیت سے میں نے بھی اپنا چھوٹا
سا رول ادا کر لیا۔ وہ ڈراما ہزاروں لوگوں نے سوپور ٹاؤن ہال میں بصد شوق
اور توجہ کے ساتھ دیکھ لیا اور اس کو بے حد پسند کر لیا گیا۔ اُسی دن سے ملکہ حبہ خاتون
کے فکر و فن اور حیات سے متعلق میری دلچسپیاں بڑھنے لگیں جس کے نتیجے میں

میرے دِل میں ایک آرزو پیدا ہوئی کہ کشمیر کی اس بے مثال شخصیت کی خدمت میں جو تلخ و شیرین، نشیب و فراز، عروج و زوال، ہجر و وِصال اور سکون و انقلاب کا ایک عجیب سنگم رہ چکی ہے، اپنا ہدیۂ عقیدت ایک کِتاب کی صورت میں پیش کر سکوں۔ شُکر ہے اللہ کا مدّت دراز کے بعد ہی سہی، میری یہ آرزو کسی حد تک پوری ہو رہی ہے

ارباب فِکر و نظر سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ کِسی مُقتدر اور ممتاز شخصیت کے حالاتِ زندگی کے بارے میں اگر مُستند ماخذ اور وسائل مہیّا نہ ہوں تو بڑی دُشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اسی قسم کی دشواریاں حبّہ خاتون کے حالاتِ زندگی لِکھتے وقت پیش آجاتی ہیں۔ یہ دشواریاں اور بھی سخت اور سنگین اس وقت ہو جاتی ہیں جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کشمیر کی اس بیٹی کی زندگی ایک ایسا ڈراما تھی جس کا آغاز تلخ اور انجام لرزہ خیز حد تک المیہ تھا اور درمیانی نہایت کم وقت کا طربیہ اور دیکھتے ہی دیکھتے غم و آلام کا پیام بن چُکا۔ اس عظیم شاعرہ کی زندگی ایک ایسا افسانہ تھی جس کا بیان کرنے والا بھری محفل میں افسانہ ختم کرنے سے پہلے ہی افسانہ کہتے کہتے سو جائے اور سامعین حیران رہ کر کچھ اور سُننے کے لئے جاگتے رہیں۔

میری اس پیش کش کو قارئین کی پذیرائی کا شرف حاصل ہوگا یا نہیں، اس بارے میں میرا خاموش رہ جانا ہی بہتر ہے اس لئے کہ جس شخص کو اپنی بے بضاعتی کا اعتراف ہو اور جو ع من آنم کہ من دانم، کے مِصداق اپنے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہو اُس کے لئے ع خموشی معنی دارد کہ در گُفتن نہ می آید، پر عمل کئے بغیر اور کوئی بات مناسب نہیں ہو سکتی۔ ان حالات میں حبّہ خاتون کی حیات کے بارے میں کچھ لِکھنے کی سعی کرنا "کوہ کندن و کاہ برآوردن" کے مُترادِف ہی تو ہوگا۔ بہر کیف اس ممتاز شخصیت

کے حالاتِ زندگی ترتیب دینے میں میری مدد کچھ ہمارے عہد تک سینہ بہ سینہ پہنچی ہوئی اُن کہانیوں نے کرلی ہے جن کو مُستند بھی کہا جاسکتا ہے اور غیر مُستند بھی اور کچھ اس منفرد شاعرہ کے کلام کے اکثر حصّوں نے

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اپنے موضوع پر قلم اُٹھاتے ہوئے ایک طرف سے میرے ذہن پر جگن ناتھ ولی کی "زون" کے مطالعہ کا اثر حاوی رہا ہو اور دوسری طرف سے اُن روایاتی کہانیوں کا تاثر بھی جو حبّہ خاتون کی زندگی کا دِل فریب مگر المیہ فسانہ ختم ہونے کے بعد ہی اہلِ کشمیر کے سینوں میں محفوظ ہوگئیں اور ہمارے دَور تک ہر دادا میاں اور نانی اماں کی زبان سے نئی پود تک مُنتقل ہوتی رہیں اسی تسلسُل کے ساتھ اُن قصّے کہانیوں کا اَسلاف سے اخلاف کی طرف سینہ بہ سینہ مُنتقل ہونے کا سِلسلہ کشمیر میں رہتی دُنیا تک جاری رہیگا حبّہ خاتون اور یوسف شاہ چک کے درمیان جو گفتگو وغیرہ کے اقتباسات مُختلف مقامات پر اس کِتاب میں درج ہیں وہ بشری ولی کی "زون" ہی سے لئے گئے ہیں جس کے لئے میں اُن کا سپاس گزار ہوں۔

کشمیر کی نُورجہاں ملکۂ حبّہ خاتون کا مَولد و مَنشا چونکہ سرزمین پانپور کے قریب واقع گاؤں "چندہ ہار" ہی کہا جارہا ہے اس لئے میں اپنی اس ناچیز پیش کش کا مقدمہ لِکھنے کے لئے زعفران زار پانپور سے تعلق رکھنے والے سخن گو، صاحبِ فہم اور شاعر میر غلام محمد طاؤس (مرحوم) کو تکلیف دینے کی جسارت کرچکا تھا۔قبلہ طاؤس (مرحوم) میری ہی طرح حبّہ خاتون کے عقیدت مند تھے اور اسکی شاعرانہ عظمت کے قائل بھی۔ انہوں نے کشمیر کی اس دختر کو خراجِ عقیدت اور خراجِ تحسین

ادا کرتے ہوئے اس کی شاعری پر اُردو میں ایک گراں قدر مقالہ بھی سُپردِ قلم فرمایا ہے اور ایک دلآویز نظم بھی تخلیق کرلی ہے۔ جناب طاؤس (مرحوم) اور حبّہ خاتون کے درمیان اس مُشترک مقامِ ولادت وسکونت کا ایک قدرِ مُشترک موجود ہے۔ ان دونوں کے مابین اس قریبی تعلق اور نسبت کے پیشِ نظر مجھے مرحوم طاؤس صاحب کے سامنے مقدمہ کے چند جملے تبرکاً لکھنے کے لئے دستِ سوال دراز کرنے میں کوئی تامل نہ تھا۔ ویسے بھی جناب طاؤس صاحب کی علمی و ادبی عظمت کے سامنے سائل بن کر جانا میرے لئے باعثِ فخر بات تھی اور باعثِ ابتہاج بھی۔

نشاط انصاری

# مُقدّمہ

کشمیر کے زعفران زار دنیا بھر میں مشہور ہیں لیکن بہت کم لوگوں کو علم ہے کہ اس مٹی نے جس میں زعفران اُگلنے کی خاصیت ہے کشمیر کی ان دو نامور خواتین کو بھی جنم دیا تھا جن کے مدارِ فکر پر اس وقت کشمیری شعر و ادب کا ایک محکم ستون کھڑا ہے۔ للہ عارفہ کسی تعارف کی محتاج نہیں، حبّہ خاتون کو رہتی دُنیا تک کوئی بھُلا نہیں سکتا یہ دونوں دلیویاں ان ہی زعفران زاروں میں پلیں، بڑھیں اور پروان چڑھیں۔ دونوں فرش سے اُٹھیں اور عرش پر چمکیں دونوں کی ابتدائی زندگی میں حیرت انگیز مماثلت پائی جاتی ہے دونوں کو گرہستی زندگی میں ناقدر شناس شوہر، ساس، سسر اور نندوں کے ہاتھوں بے انتہا مصائب کا سامنا کرنا پڑا دونوں نے اپنے ناسازگار ماحول کی باتیں اشعار کے روپ میں کہیں اور حق یہ ہے کہ اس طرح کہیں کہ سسرال کی سختیوں اور ساس نندوں کی جھڑکیوں کا نقشہ پیش کرنے کے لئے آج تک کشمیری شاعری اس سے بہتر اشعار پیش نہیں کر سکی ہے مگر مجموعی اعتبار سے للہ عارفہ کی شاعری کا رنگ اور تھا اور حبّہ خاتون کا اور ایک نے اِس دُنیا کی باتیں کہیں دُوسری نے اُس دُنیا کی للہ عارفہ نے آسمانی نغمے گائے، حبّہ خاتون نے چلتی پھرتی دُنیا کی عکاسی کی حبّہ خاتون کے کلام کے پیچھے ابتداء سے آخر تک ایک عورت کا بے قرار دِل دھڑکتا نظر آتا ہے اس کی شاعری کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس دَور میں جب شعر گوئی کو عام طور تصوف

اور معرفت کے دقیق مسائل بیان کرنے کا ایک ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ حبہ خاتون نے اُٹھتی، اُبلتی اور مٹتی جوانی کے ترانے گائے اس کی شاعری میں مذہب اور تصوف کو دخل نہیں۔ اس کا کلام دِل کی گہرائیوں سے ایک ایسے اُبلتے ہوئے چشمے کی مانند پھوٹ آیا ہے جو صاف اور شفاف راستے پر ایک پُرسکون بہاؤ کی صورت اختیار کرتا ہے انسانی جذبات کا ایک بے پناہ سیلاب اشعار کے نپے تُلے سانچوں میں اس طرح ڈھل گیا ہے کہ آدمی پڑھتا جاتا ہے اور کہیں پست و بلند کا احساس تک نہیں ہوتا زبان کی شیرینی اور حلاوت آج بھی دِل کو موہ لیتی ہے

کشمیر کی سیاسی، ادبی اور ثقافتی تاریخ میں حبہ خاتون کو ایک مُنفرد مقام حاصل ہے یہ عظیم الشان شخصیت اس دیس کے ایک پُرآشوب دَور میں اس طرح اُبھری اور ڈوبی جس طرح آسمان پر کوئی تابناک تارہ لمحے بھر کے لئے جگمگا کر ڈوب جاتا ہے خود مختار کشمیر کے آخری بدنصیب تاجدار کی یہ جلیل القدر ملکہ ایک معمولی کسان گھرانے میں پیدا ہوئی اور اس کی پہلی شادی ایک الھڑ گنوار سے ہوئی تھی یہ دَور اس کی زندگی کا پہلا غمناک دَور تھا قسمت نے پھر اسی حبہ خاتون کو قصرِ شاہی کی زینت بنا دیا اس دَربار میں، جہاں اس وقت کے باکمال فنکار اپنے کمالِ فن کے جوہر دکھاتے تھے، حبہ خاتون کی فِطری صلاحیتوں نے جلا پائی یہ دَور گو فراغت کا دَور سمجھا جاتا تھا مگر ہوا کے دوش پر سوار تھا یوسف شاہ چک کا تخت و تاج چھن جانے کے بعد اس ابھاگن ملکہ کی زندگی غم و اندوہ کے ایک قیامت خیز طوفان سے ٹکرا گئی اور آخر گمنامی کی اتھاہ گہرائیوں میں اس طرح ختم ہو گئی کہ اس کی لرزہ خیز المیہ کی داستان سُنانے والا تک بھی کوئی باقی نہ رہا

افسوس ہے کہ اس عظیم المرتبت خاتون کی جو بیک وقت ایک باتدبیر ملکہ، ایک باکمال شاعرہ اور ایک ماہرِ فن موسیقار تھی، زندگی کے تفصیلی حالات سے دنیا اب بھی بڑی حد تک بے خبر ہے چند موٹی موٹی باتوں کے علاوہ جو سینہ بہ سینہ ہم تک پہنچی ہیں، ہمارے پاس اس کی سوانح کی جزئیات کو ترتیب دینے کے لئے کوئی مستند مواد موجود نہیں۔ محکومیت کے نہایت طویل اور تاریک دور میں ہم اپنی تاریخ کے چند بیش بہا اوراق گنوا بیٹھے ہیں حبّہ خاتون کی زندگی کی اہم تفصیلات وقت کے تیز رفتار دھارے کے ساتھ بہہ چلی ہے آج اِن تفصیلات کو جاننے کے لئے ہماری بے تاب نِگاہیں خلاؤں کو گھورتی ہیں اور مایوس ہو کر لوٹتی ہیں۔

جناب نشاط انصاری ایک منجھے ہوئے ادیب، شاعر اور نثر نگار ہیں۔ درجن کے قریب کتابوں کے مُصنّف ہیں اور کئی کتابوں کے مؤلف بھی۔ تحقیق اور تنقید سے آپ کو خاص شغف ہے۔ آپ کے اکثر تحقیقی مضامین ممتاز ادبی رسالوں میں شائع ہوئے ہیں اور خراجِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ زیرِ نظر کتابچہ میں آپ نے حبّہ خاتون سے متعلق وہ سارا مواد جمع کر دیا ہے جو اب تک مختلف ذرائع سے دستیاب ہو چکا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض حکایات اور اشعار کے پیچھے جن کا اس کتابچہ میں حوالہ دیا گیا ہے مُعتبر اور مُستند روایات نہ ہوں لیکن ماضی کے دُھندلکوں میں سے واقعات کے تانے بانے کو ڈھونڈ نکالنا کوئی آسان کام نہیں فاضِل مُصنّف نے حبّہ خاتون کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو نہایت لطیف پیرائے میں اُجاگر کرنے کی گرانقدر کوشش فرمائی ہے جس کے لئے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

غ۔م۔طاؤس

# زمینِ چمن

کشمیر ایک ایسی حسین عورت کی مانند ہے، جس کا حُسن آفاقی ہو اس کے دریاؤں جھیلوں، وادیوں اور دلکش باغوں میں صنفِ نازک کی رعنائی اور لطافت پائی جاتی ہے اور اس کی سحر آگین خوبصورتی کا دُوسرا رُخ اس کے پُر شکوہ اور بلند و بالا پہاڑ، برف پوش چوٹیاں، اُس کی برفانی ڈھلوانیں اور نیچے وادیوں میں چنگھتے، گرجتے گرتے ہوئے خوفناک آبشار ہیں جو اس کے مردانہ حُسن و قوت کے مظہر ہیں۔

"کشمیر ہر آن بدلتے ہوئے سینکڑوں روپ رکھتا ہے، کبھی یہ مُسکراتی بہاروں کی طرح ہے تو کبھی فکر و غم کی چادر اوڑھے ہوئے جو کوئی کشمیر کو ہر روپ میں غور سے دیکھ لیتا ہے تو اس کی دلفریبیوں سے متاثر ہو کر مسحور و مدہوش ہو جاتا ہے دیکھنے والا اس کے حُسن میں اتنا کھو جاتا ہے جیسے کہ کوئی خواب دیکھ رہا ہو ایک حسین خواب، جس میں وہ تمام تمنائیں، خواہشیں اور ارماں مجسم بن گئے ہوں جو زندگی میں شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکیں یا جیسے خواب میں اپنی محبوبہ کا حسین چہرہ دیکھ رہا ہو اور پھر اچانک آنکھ کھُلے تو یہ چہرہ غائب ہو جائے"۔ یہ ہیں جواہر لال نہرو کے وہ تاثرات، جو انہوں نے کشمیر کی خوبصورتی سے متعلق ظاہر کئے ہیں۔

بلاشبہ وادی لالہ و گُل افسانہ وافسوں کی سرزمین ہے۔ یہاں ہر طرف تا حدِ نظر مُرغزار ہی مُرغزار ہیں، زعفران کے سنہرے کھیت، رنگا رنگ پھولوں سے لبریز کیاریاں، شفاف چشمے، ندیاں، دریا، جھیلیں، آبشار، ہرے بھرے کھیت، اونچے

اونچے سدا بہار درخت، سب نے مل کر اسے طلسم زار بنایا ہے۔

برف پوش پہاڑوں سے گھری ہوئی یہ رنگا رنگ وادی پہاڑوں کی محبوب معشوق ہے

اس طرح اونچے پہاڑوں میں گھری ہیں وادیاں!
جس طرح دیوں کے گھر میں قید ہوں شہزادیاں

(حفیظ جالندھری)

قدرت نے اس سرزمین کی طرح ہی ایسی ڈالی کہ یہ سراپا جمال قطعۂ ارضی ہمیشہ ذوقِ تحسین سے سرشار اور ہوس آلود نگاہوں کی آماجگاہ رہی ہے اور لعل و گہر نثار کرنے والی نگاہوں کی بھی۔

وادیٔ جنت نظیر اپنے فطری حسن، اپنے باشندوں کے حسن و جمال، اپنی بہاریں زندگی اور گل بداماں ثقافت کے باعث حسنِ فطرت کے پرستاروں کو مشرق و مغرب سے کھینچ کھینچ کر لاتی ہے۔ یہاں کی شگفتہ موسیقی، سہانے لوک گیت، لطیف و جمیل فنون پُرکیف کہانیاں اور دل آویز ناچ اس وادی کے تر دماغ مکینوں کے ماضی و حال کا غیر فانی سرمایہ ہے۔

کشمیر دنیا کے جمیل ترین خطوں میں سے ہے۔ یہاں کے باشندے صرف خوش شکل ہی نہیں، خوش فکر اور خوش اندیش بھی ہیں۔ کشمیری جس فضا اور ماحول میں سانس لیتے ہیں اس کا ہر ذرہ اپنے اندر حسن کے کئی جہاں آراستہ کئے ہوئے ہے۔ کشمیر کو زمین پر اُترا ہوا فردوس خیال کیا جاتا ہے اور مادی دنیا کے اس فردوس نے لاکھوں انسانوں کو اپنی بے پناہ خوبصورتی سے متاثر کیا ہے۔

اس جنت نشاں وادی میں خوش رنگ پھول لہلہاتے ہیں۔ بلبلوں کی چہکار

کانوں میں رس گھولتی ہے۔ شاداب وادیوں، مرغزاروں، چمن زاروں اور ہرے بھرے کھیتوں میں پیار کے رس بھرے نغمے گونجتے ہیں جھیلوں اور جھرنوں کا میٹھا پانی ہر شخص کو حیاتِ نو کا پیغام دیتا ہے۔ پھل اور پھول دیکھ کر ہر بشر ع "کہ صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے" کا نعرہ بلند کرتا ہے ؎

یہ رنگوں کی بستی یہ رُوپوں کا دیس
یہ سایوں کا یہ ہلکی دھوپوں کا دیس
گُل و گُل بہاریں ہمہ رنگ و بُو
شجر اور حجر صف بہ صف، سُو بہ سُو
کہیں نعرہ زن آبشاروں کا راگ
کہیں گونجتا چشمہ ساروں کا راگ
وہ جھرنوں کا شور، اُن کے جھرنے کی شان
وہ خمدار سینہ اُبھرنے کی شان[1]
(رفیق خاور)

**حیات** اسی حسین و گل بداماں ماحول اور پُر کیف فضا میں کشمیر نے ماضی میں وہ یگانۂ روزگار اور جلیل القدر ہستیاں پیدا کی ہیں جو اس بہار اندر بہار خطے کے لئے سامانِ ناز ہیں اور جن پر اس وادیٔ گلپوش کا ذرہ ذرہ رہتی دنیا تک فخر کرتا رہیگا۔ سیر و تاریخ، تصوف و طریقت، حکمت و معرفت، بطالت و شجاعت، شعر و شاعری اور علم و ادب کے میدان میں سومؔ دیو، ناگ ارجنؔ، کالیداسؔ، للہ عارفہ، شیخ نورالدین نورانیؒ، سلطان زین العابدین، یوسف شاہ چک، محمد بٹ، تازی بٹ، شیخ یعقوب صرفیؒ،

[1] ماخوذ از کشمیر ادب و ثقافت، از سلیم خان گمیؔ، راولپنڈی

مُلّا طاہر غنیؔ اور کلہنؔ اور بلہنؔ ایسی شخصیتوں نے اپنے اپنے نمایاں معرکے سر کئے ہیں اُن کے پھریرے اہلِ نظر کو آج بھی فضا میں لہراتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ ان جلیل القدر مؤرخوں، شاعروں، ڈرامانویسوں، صوفیوں اور شاعروں کی صف میں ہمیں کچھ پُروقار خواتین بھی نظر آرہی ہیں جن کی مُسلّمہ صوفیانہ عظمت اور گوناگوں علمی وادبی صلاحیتوں نے ہمارے ادب اور ثقافت اور تہذیبی زندگی کے خزانے کو مالا مال کر ڈالا ہے۔ ہمارے وطن کو فخر کا لازوال سرمایہ بخشنے والی اُن خواتین میں للہ عارفہ، حبّہ خاتونؔ، اَرنِہ مالؔ اور روپہ بھوانیؔ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

یہ کتابچہ حبّہ خاتون سے متعلق سُپردِ قلم ہورہا ہے اس لئے دوسری عظیم شخصیتوں سے قطع نظر معروضی انداز میں یہاں صرف اسی مُنفرد اور جلیل القدر خاتون کے حالاتِ زندگی اور اندازِ فکر و نظر کی کچھ جھلکیاں دکھانے کی طرف قلم کا رُخ موڑا جارہا ہے۔

**مُولِد** سرینگر سے آٹھ نو میل دُور جنوب کی طرف چندہ ہار (پانپور) کے ایک کسان "عبدی راتھر"[۱] کے گھر آج سے کوئی ساڑھے چار سو سال پہلے ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام ماں باپ نے "زون" رکھا۔ "زون" کشمیری زبان میں چاند کو کہتے ہیں چندہ ہار کی یہ زون جو ایک اوسط درجے کے دیہاتی گھر کے اُفق پر طلوع ہوئی شکل و صورت کے اعتبار سے اس سرزمین کی زون واقعی اسم بامُسمّیٰ تھی۔ پانپور اپنی شادابی

---

[۱] "گلستانِ کشمیر" کے مصنف ملا محمد حسین المقلب بہ حسام الدین کے لکھنے کے مطابق حبہ خاتون کا والد چندہ ہار کا عبدی راتھر نہ تھا بلکہ اُس کا کوکلتاش تھا اور حبہ خاتون موضع نیوہ چھر[ٹ] بلوامہ کے سید بہاؤالدین عرف بہار شاہ کی بیٹی بی بی حبیبہ تھی۔

در سرسبزی کے علاوہ زعفران زار ہونے کی بناء پر کشمیر میں ایک تاریخی اور امتیازی مقام رکھتا ہے۔ قدرت کا یہی زعفران زار زُون کا مولد بن چکا۔ اسی میں وہ پلی بڑھی اور نشوونما حاصل کر چکی۔ زعفران کے نظر نواز، دلکش اور نازک نازک پھولوں نے اپنی رعنائی اور لطافت سے زُون کے لئے ایک شعر انگیز ماحول تشکیل دیا۔ یہ حور ارم اپنی خداداد ذہانت حاضر جوابی اور حُسنِ طبیعت سے اپنے اس فردوسی ماحول کا ایک ایسا جُزوِ لاینفک بن چکی تھی کہ جب زون اپنے گرد و پیش کے زعفران زاروں سے الگ رہتی تو اُدھر اُس کا دل بیقرار ہو جاتا اور اِدھر زعفران زار کی زرد زرد پتیاں اس کے انتظار میں اُداس ہو جاتیں۔

**ازدواجی زندگی** جونہی حبہ خاتون نے شباب کی حسین وادی میں قدم رکھا اس کے باپ عبدی راتھر نے قدیم دہقانی رسم و رواج کے مطابق اس کی شادی اپنے ہی گاؤں کے ایک کسان نوجوان[1] سے کر دی۔ حبہ خاتون کا شوہر بد قسمتی سے بد مزاج آدمی تھا۔ مُستزاد یہ کہ اس کی ساس سخت گیر اور ضِدن عورت تھی۔ وہ اپنی بہو کے لئے بلائے جان بن رہی۔ اپنے بیٹے کو بہو کے خِلاف دِن رات بھڑکانا اس کی فِطرت تھی۔ جھگڑالو ساس کے طعنوں میں تندی بھی تھی اور شدت بھی اور آخرکار زون کو طلاق مِل گئی۔ اس اضطراب انگیز صدمے نے زُون کو اپنے دِل کا دُکھڑا بیان کرنے کے لئے گیت اور گانے کی صلاحیت بخشی۔ وہ

---

[1] حبہ خاتون کا کسی مقامی کسان نوجوان کے عقد میں آجانا "گلستانِ کشمیر" کے مصنف کی تحریر کے مطابق غلط ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس کی پہلی شادی اپنے ہی خاندان میں اسکی والدہ بی بی بدیع الجمال کے بھتیجے یعنی اپنے ماموں زاد بھائی سید کمال الدین کے ساتھ ہوئی تھی جس کا مسکن سرینگر کے محلہ جمالٹہ میں تھا اور یہ حقیقت خود حبہ خاتون کے ہی اس شعر سے واضح ہو جاتی ہے ؎ یارِ میون آسان جمالٹہ کمال لس چھُم ناو

(میرا پیا جمالٹہ کا رہنے والا ہے جس کا نام کمال ہے)

زعفران زاروں میں گھومتی اور دُکھ بھری آواز میں گیت گایا کرتی۔ یہی وہ دِن تھے جب حبّہ خاتون نے اپنے داخلی کیفیات کی ترسیل کے لئے اصنافِ شعر میں سے "وژن" صنف کا ہی انتخاب کرتی ہے۔ اس وقت تک وژن کی صنف عشقِ حقیقی اور عارفانہ خیالات پیش کرنے تک ہی محدود تھی۔ لیکن حبّہ خاتون وہ پہلی خاتون اور شاعرہ ہے جس نے اسے عشقِ حقیقی کے بدلے عشقِ مجازی کا چولا پہنا دیا۔ اگرچہ "وژن" کے ڈانڈے کہیں کہیں غزل کے ساتھ ملتے بھی ہیں لیکن غزل کا آہنگ ایک طرح کا ہے اور "وژن" کا دوسری طرح کا۔ غزل میں جہاں کلاسکیت پائی جاتی ہے وہاں وژن لوک شاعری کے میٹھے اور رسدار مزاج کے بالکل قریب آتا ہے۔ اور اصل میں یہ قدیم ایرانی غزل کی ابتدائی صورت ہے اور اس کی قبولیت کا سہرا بھی حبّہ خاتون ہی کے سر بندھ جاتا ہے، جس نے اسے نیا رنگ دیا۔

**وژن صنف** وژن کشمیری شاعری کی وہ خاص ہئیت ہے جس کی بحر عام طور چھوٹی ہوتی ہے اور ہر تیسرے مصرعہ کے بعد ترجیع یا ٹیپ کا مصرعہ استعمال کیا جاتا ہے جس سے کہ اس میں غنائیت کا پہلو اُجاگر ہوتا ہے۔ کشمیری میں یہ عورت کی زبان سے محبت کے اظہار کا ایک خاص ذریعہ ہے معشوق کے ستم، اُس کی جُدائی کا غم، عاشق کے دِل کی داخلی کیفیت اور اپنے معشوق کے ساتھ اس کی شیفتگی کا تذکرہ "وژن" میں نہایت دِلربا طریقے سے کیا جاتا ہے احساسات کی پاکیزگی، ہلکے پھُلکے اور دل نشین لفظوں کا استعمال اور صنفِ نازک کی نازک خیالی اس صنفِ سخن کی خاص بات ہے۔ لفظوں کا زیر و بم خیالات کی انفرادیت اور سوز و گداز "وژن" کی روح سمجھی جاتی ہے۔

ہمارے اکثر کشمیری نقاد وژن کو کشمیری الاصل صنفِ سخن قرار دیتے ہیں۔ لیکن

یہ بھی غزل، قصیدہ، مثنوی، مرثیہ، رباعی، شہر آشوب وغیرہ کی طرح فارسی ہی کی ایک قدیم صنفِ سخن ہے چنانچہ شیخ سعدیؔ شیرازی، حکیم سنائیؔ، اور شمس تبریزؔ کا کچھ کلام بالکل اسی فارم میں ملتا ہے[1]۔ جس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ "وژن" صنف بھی ایران کی ہی دین ہے چنانچہ شیخ سعدیؔ کی اس نظم، جس کی ہئیت "وژن" جیسی ہے سے اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے ؎

اے ماہِ عالم سوزِ من
از من چرا رنجیدہ ای
وے شمعِ تب افروزِ من
از من چرا رنجیدہ ای
من سعدیؔ دل خونِ تو
ابروِ تو چوں ماہِ نو
من یارِ نیکو خواہِ تو
از من چرا رنجیدہ ای[2]

"وژن" صنف کی سرحدیں[3] ہندوستانی گیت اور انگریزی لرک (LYRIC) کے

---

۱؎ ڈاکٹر کے این پنڈتا صاحب کے ایک تحریری بیان کے مطابق ایران میں اس قسم کی صنف کو "دوگولیشھائی محلی" کہا جاتا ہے۔

۲؎ ماخوذ از کشمیری رسالہ پرتو (وژن نمبر) دائرہ ادب دلنہ

۳؎ کاشُر ادبچ تأریخ (کشمیری ادب کی تاریخ) از اوتار کرشن رہبر

ساتھ ساتھ ملتی ہیں۔ اس میں لوک شاعری کی صفائی اور مٹھاس اور فارسی غزل کی روانی پائی جاتی ہے اور اسی "وژن" فارم میں حبہ خاتون نے اپنے پُراثر گیت لکھنے میں کمال حاصل کر لیا اور اپنے گیتوں کو نقشِ دوام بخشا ہے

حبہ خاتون جس نے گیتوں کو دیا نقشِ دوام
گیت جن میں لوچ ہے رس ہے تاثر بے پناہ
اہلِ بینش گوشِ دِل سے سُن سکیں گے آج بھی
ہے فضائے بے خودی جس کی حقیقت پر گواہ

(سلطان الحق شہیدی)

**زون سے ملکہ حبہ خاتون** ایک دِن "زون" اپنی چند سہیلیوں کے ساتھ زعفران کے پھول چُنتے چُنتے کشمیری زبان میں میٹھے اور رس بھرے گیت گا رہی تھی کہ اچانک اس عہد کے حکمران "یوسف شاہ چک" کا اپنے مصاحبین کے ساتھ وہاں سے گزر ہوا۔ بادشاہ نے زعفران زار میں پھول چُننے والی کچھ الھڑ اور نغمے بکھیرتی ہوئی شوخ حسیناؤں کے جھُرمٹ کو دُور سے دیکھا، جن کے ہوشربا گیت اور نغمے زعفران کی پُر کیف کیاریوں میں رومان کا رنگ بھر رہے تھے۔ حُسن اور آواز کے دلکش سوز و گداز نے بادشاہ کو اس طرف متوجہ کر لیا۔ وہ قریب آیا اور اسے یک لخت ایسا لگا جیسے رنگ و نُور کی اس سرزمین پر نغمے بکھیرنے کے لئے آسمان سے چاند نیچے زمین پر اُتر آیا ہو اور جس نے اپنے ساتھ اُترے ہوئے کچھ تاروں کو ایک غیر مرئی کشش کے سہارے اپنے اردگرد لا رکھا ہو۔ اس جنّت نظیر منظر کا ساغر یوسف شاہ چک کی نِگاہوں کو وہ مئے پِلا چکا کہ دیکھتے

ہی دیکھتے وہ مدہوش ہوکر پیشِ نظر جلوؤں میں کُلیتاً کھوگیا۔ یُوسف شاہ چک شعر و ادب کا عاشق بھی تھا اور قدردان بھی۔ اس کی رنگین اور ادب نواز طبیعت اور شعر و نغمہ کے سانچے میں ڈھلے ہوئے دِل پر زُون کی ملکوتی آواز، حسین گھنگھرالے سیاہ زُلفوں، نازک جِسم اور حُسنِ بے مثال اور رومان انگیز زمزمہ پردازی نے مِل کر وہ جادو کر دیا کہ اس پر جنون کی سی کیفیت طاری ہونے لگی اور وہ شہسوار ہونے کے باوجود مشکل ہی سے اپنے آپ کو سنبھال سکا۔ یوسف شاہ چک[۵] خود مختار بادشاہ ہونے کے علاوہ عالم بھی تھا اور خردمند بھی، عالم پرور بھی اور فنونِ لطیفہ کا عاشق بھی، اُن کے حُسنِ اخلاق، شعر و شاعری، موسیقی اور عدل و انصاف اور فنونِ لطیفہ سے دلچسپی رکھنے کے پیشِ نظر کشمیر کے ممتاز عالم و فاضل اور بزرگ صوفی شاعر بابا داؤد خاکیؔ یوسفِ کشمیر کی مدح سرائی میں کہتے ہیں ؎

برلُغت ہا واقفست و در ہنر ہا ذُو فنون!
حُسنِ خطّے نیز دارد ایں شہہ نیکوخصال
اہلِ حرفت و سخندان با شناسئی شعر
طبعِ موزون نیز دارد ایں شہہ فرخندہ فال
علمِ موسیقی رسانیدہ بحدّ انتہا
ہر مقامے نیک دارد چوں "حسینی" و "غزال"
ہست شاہے نرم، خوش شیریں زبان و بُردبار
باز در فہم و فطانت بے نظیر و لا مثال[۵]

---

۵ ماخوذ از تاریخ بہارستان شاہی مرتبہ ڈاکٹر اکبر حیدری

خرد نے جنون کے ساتھ سودا کر ہی لیا اور جنون نے عشق بن کر آناً فاناً گھوڑے کی بھاگیں سامنے کے زعفران زار کی طرح موڑ دیں۔ حبہ خاتون کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی یوسف شاہ چک زعفران زار کے اس چاند کی جلوہ فرمائیوں پر قربان ہو چکا تھا یا یوں سمجھ لیجئے کہ حُسن عشق کے دِل پر ایک ایسا بے خطا تیر مار چکا تھا کہ عشق خود اپنے تیر انداز کے حضور میں بے قرار ہو کر کھینچتا چلا آیا۔ حُسن کا سحر کام کر چکا تھا اور یوسف شاہ چک مسحور و مجبور عاشق کی طرح زعفران زار کے قریب آکر نظارہ جمال میں محو ہو گیا۔ محویت کے اس عالم میں یوسف شاہ چک کا دِل ع اے شوق اب اجازت تسلیم ہوش ہے

کہہ کر ہمہ تن نگاہ بن گیا۔ اُدھر حبہ خاتون نے ایک نگاہِ غلط انداز سے جہاں یوسف شاہ چک کو مرغِ بسمل بنا چھوڑا وہاں خود بھی ایک ہی نگاہ میں اس کے دامِ محبت میں اسیر ہو کے رہ گئی۔

زون اور شاہ کی اس اچانک رومانی ملاقات کا نتیجہ کچھ عرصہ بعد یہ نکل آیا کہ دنیا نے زُون کو کشمیر کی ملکہ کی حیثیت سے دیکھ لیا اور اسے عزت کے ساتھ ملکہ حبہ خاتون کے نام سے پُکارنا شروع کر لیا۔ ایک باوفا اور محبت شعار شوہر کی حیثیت سے یوسف شاہ چک اپنی ملکہ حبہ خاتون پر سدا جان چھڑکتا رہا۔ حبہ خاتون کے رخساروں کی برنائی، جمال اور حُسنِ خداداد کے سامنے یوسف شاہ چک کو دنیا کی ہر حسین شئے ہیچ نظر آ رہی تھی۔ اس کا برملا اظہار ان اشعار سے ہوتا ہے ؎

مئے گلفام میں دیکھا نہ گُل و لالہ میں

تیرے رخساروں میں جو رنگوں کی برنائی ہے

تیری گفتار میں سنطور کی چھیڑتی ہوئی لے
تیری آواز ہے یا نغمہ کی انگڑائی ہے
دیکھ گلنار میں بھی تیری جھلک ہے موجود
حسن نے تیرے ہی جلوؤں سے جِلا پائی ہے
یاسمن تیری نزاکت کا اِک آئینہ ہے
چشمِ نرگس میں ترے جلوے سے بینائی ہے[1]
(کمال احمد صدیقی)

ملکہ کی خداداد قابلیت، حاضر جوابی، شعروادب سے وابستگی، موسیقی سے بے حد دلچسپی اور قابلِ ستائش ذہانت کے ساتھ اس کے لاجواب حسن نے یوسف شاہ چک کو دیوانہ بنا ڈالا۔ یوسف شاہ چک اس وقت تک حبّہ خاتون کی زلفِ گرہ گیر کا اسیر رہا، جب تک کہ اکبرِ اعظم نے کشمیر کی خود مختاری کو ختم کر کے یہاں کے اس آخری خود مختار تاجدار کو نظر بند نہ کر دیا۔

کشمیر کی مایہ ناز خاتون زندگی کے ابتدائی بیس سال تک محض ایک دیہاتی دوشیزہ تھی۔ چودہ پندرہ برس تک وہ کشمیر کی ملکہ بن کر قصرِ شاہی کی زینت بن چکی اور ریلوں پچپن سال کی عمر کاٹ کر لگ بھگ ۱۶۰۶ء میں وفات پا چکی۔ اس کی زندگی کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ پہلا دور اس کے بچپن اور ازدواجی زندگی کا ہے۔ اس عرصے میں اس کی تیز مزاج نند[2] کے نازیبا سلوک نے اُس کے حساس

---

[1] ماخوذ از چنار رنگ مطبوعہ کلچرل اکادمی، سرینگر

[2] مورخ ملا محمد حسین مصنّف "گلستان کشمیر" کے لکھنے کے مطابق اس کی نند (بی بی مریم بیگم) نے اپنے بھائی سیّد کمال کو اُکسا کر حبّہ خاتون کو طلاق دِلوائی اس ضمن میں مصنّف گلستان کشمیر لکھتے ہیں "مناکحت وے ہمراہ سیّد کمال الدین برادرِ خالوے او انجام پذیر رفت و لاکن مزاجِ مریم خواہر شوہرش با موافق نیامد و مفارقت نمود"

دِل پر لالہ کاری کر کے جینا دوبھر کر دیا۔ اِسی المناک دَور نے حبہ خاتون کے جذبات و محسوسات میں وہ انقلاب لایا جس کی وجہ سے اُس کے مضطرب ذہن اور افسردہ دِل کو ایک ابدی سکون مِل گیا اور جس کی تہہ سے بعد میں ایک ایسے دبستانِ شعر کی بنیاد پڑ گئی جس پر اس کشمیری الاصل شاعرہ کے بعد آنے والے شعراء داخلی تجربوں کو کچھ اس فنکاری اور چابکدستی سے پیش کر چکے ہیں کہ ان کے اسلوبِ بیان کا معجزہ ہمیں اپنے اثر میں جکڑ لیتا ہے اور ہم اُن کے دُکھ کو اپنا دُکھ اور اُن کی خوشی کو اپنی شادمانی تصور کر لیتے ہیں۔

جب حبہ خاتون کشمیر کی نُور جہاں بنی تو اس کی زندگی کا دوسرا دَور شروع ہو جاتا ہے جو اس کی زندگی کا طرب انگیز دَور مانا جاتا ہے۔ اِس زمانے میں اُس کی تمام تر شعری صلاحیتیں منظرِ عام پر آکر نکھر چکیں اور خوب سے خُوب تر ہوئیں حبہ خاتون کی شاعری کا خمیر غمِ جاناں اور غمِ دوراں دونوں کا اِمتزاج ہے۔ یہیں سے اس کی رُومانی شاعری کی قندیلیں روشن ہو جاتی ہیں۔ اُس کی زندگی کا یہ طرب انگیز دَور اگرچہ مختصر ہی تھا لیکن یہی وہ زمانہ تھا، جس میں ایک گاؤں کی کسان زادی زُون ملکہ بن کر آسمانِ کشمیر پر مہتاب بن کر اُبھری اور پوری طرح سے چمک اُٹھی۔

ملکۂ خطۂ کشمیر تھی وہ مہہ لقا! | تھی وہ اِک شاعرہ شوخ بیان، شوخ ادا
اس کے نغموں کے لبوں پہ تھی نوائے فریاد | دِل کے دامن میں تھی ایک درد کی دنیا آباد
مئے عرفانِ محبت کا تھا آنکھوں میں سرور | تلخیٔ زیست نے بخشا ہے اسے جینے کا شعور

(رفعت سروش)

**وفات اور آخری آرام گاہ** حبہ خاتون کی حیات کا تیسرا پُر آشوب دَور

اس کے سرتاج یوسف شاہ چک کی مغل اعظم اکبر بادشاہ کے ہاتھوں گرفتاری
اور اسیری سے شروع ہو جاتا ہے۔ اپنے محبوب کے فراق میں وہ اس امید
پر زندگی کے تلخ ایام کاٹتی رہی کہ شاید وہ کبھی اپنے بچھڑے ہوئے عاشق
سے مل سکے گی۔ مگر ایک روایت کے مطابق اس کی یہ آرزو کبھی پوری نہ
ہوئی اور وہ امتدادِ زمانہ کے ساتھ ساتھ دنیا کو چھوڑ چلی اور اپنے یوسف
کی جدائی میں بیابانوں اور وادیوں میں گھوم گھوم کر زندگی کی کچھ بے کیف
بہاریں جوں توں کر کے اس دنیا سے چل بسی اور سرینگر شہر کے نزدیک
مشرق کی طرف پانتہ چھوک میں پیوندِ خاک ہو گئی۔ لیکن دوسری معتبر اور ٹھوس
روایت و تحقیق کے مطابق حبہ خاتون کو ملکہ کشمیر کے ناطے یوسف شاہ چک
کی جلاوطنی کے بعد صوبہ بہار کے "بسوک" قصبے میں اپنے شوہر کے پاس
بھیجدیا گیا، جہاں وہ یوسف شاہ کی وفات (۱۵۹۰ء) کے بعد ۱۶۰۵ء کے
آس پاس اپنے مالکِ حقیقی کے ساتھ جا ملی اور یوسف شاہ ہی کے پہلو میں
آسودۂ خاک کر دی گئی۔ کہتے ہیں کہ اقتدار چھن جانے کے بعد وہ ایک عارفہ
کی طرح زندگی کے آخری ایام گزارتی رہی اور وہ بجائے حبہ خاتون کے
"حبیبہ بی بی" کے نام سے مشہور ہوئی تھی۔

شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ جب دوسری بار ۱۹۷۵ء میں اقتدار سنبھال
چکے تو انہوں نے ۱۹۷۶ء جموں و کشمیر کلچرل اکادمی کے سیکریٹری جناب محمد
یوسف ٹینگ کی سربراہی میں ایک تمدنی وفد بہار روانہ کیا جو وہاں یوسف
شاہ چک کے مدفن کو دیکھنے اور اس کی تحقیق کے لئے "بسوک" گیا اور

وہ وفد وہاں یوسف شاہ چک کی قبر کے ساتھ ہی ملکہ حبہ خاتون کی قبر کو دریافت کر کے واپس آیا۔ دوسرے سال وزیر اعلیٰ محمد یوسف ٹینگ کو ساتھ لے کر خود "بسوک" روانہ ہوئے اور وہاں اکادمی کی طرف سے کشمیر کے اس آخری خود مختار بادشاہ اور اس کی ملکہ حبّہ خاتون کی قبروں پر سنگ مزار نصب کرا چکے۔ اس طرح یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچی کہ حبّہ خاتون کا مدفن اور آخری آرام گاہ "پانتہ چھوک" نہیں بلکہ "بسوک" ہے۔

## زون کی حاضر جوابی اور مذاقِ شعر

قدرت نے زون کو جن اوصافِ حمیدہ سے نوازا تھا وہی یوسف شاہ چک کو اس کا گرویدہ بنا چکے

سخن ہائی خوش داشت آں نغمہ سنج — باو شاہ می داد ہر روز گنج

کلامش بہ سوز و گداز آشنا — ہمی داد با مردہ جاں از نوا

چوں آں عارفہ نظم گوہر فشاند — در شعرِ موزون بہ کشمیر ماند

حاضر جوابی میں حبّہ خاتون اپنی مثال آپ تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دن چاندنی رات میں وہ دونوں کشتی میں بیٹھ کر جھیل ڈل کی سیر سے لُطف اندوز ہو رہے تھے کہ باتوں باتوں میں یوسف نے زون سے پوچھا، بتاؤ اُسے کونسا پھول پسند ہے۔ اور پھر ساتھ ہی یہ سوال بھی کیا کہ کنول کا پھول تمہیں پسند ہے کیا؟ زون بول اُٹھی:

"اس پھول میں رنگ تو بڑھ چڑھ کر ہوتا ہے اور اندر سے زرنگار بھی لیکن خوشبو اس میں نام کی بھی نہیں۔ خالی رنگ دیکھ کر بوالہوس ہی فریفتہ ہو سکتا ہے"

یہ برمحل اور موزوں جواب سُن کر شاہ نے نرگس (ینبرزل) پھول کے بارے میں اسی طرح کا دوسرا سوال زون سے کرلیا۔ ملکہ بے ساختہ بول اٹھی
"یہ پھول انتہائی کمزور لگتا ہے اور بھنورے پر عاشق ہوکر آنکھوں سے آنسو بہاتے بہاتے زرد پڑ چکا ہے"
ملکہ کے جوابات سُن کر بادشاہ نے شہ پاکر ایک اور پھول "آرہ وَل" (کشمیری چنبیلی) کے بارے میں استفسار کیا۔ ملکہ نے عرض کیا:
"آرہ وَل" اُن صحراؤں میں کِھلتا ہے، جہاں اُسے کوئی پوری طرح سے دیکھ نہیں سکتا۔ کِھلنا تو اُسے کہتے ہیں جس کا بھرپور نظارہ کیا جاسکے اور جس پھول کا نظّارہ ہی نہ کیا جائے، اُس سے نہ کِھلنا ہی بہتر ہے"
کچھ دیر خاموش رہ کر گُل لالہ سے متعلق ملکہ کا خیال دریافت کرنا چاہا تو ملکہ نے بداہتہً جواب دیا
"گُل لالہ خونین کفن باندھ کر بیٹھا ہوا ہوتا ہے تاکہ دیکھنے والے دیکھ لیں کہ پھول آگ کی لپٹوں میں گھِر چکا ہے۔ اس کا مطلب یہی ہے ناکہ اُس کے بغیر کسی اور کو اپنے پیاّ کے عشق میں جلنا نہیں آتا۔
ملکہ کی یہ بات سُن کر یوسف شاہ نے چھیڑنے لیکن ساتھ ہی اس کے دِل کی گہرائیوں میں چھُپے ہوئے فلسفیانہ خیالات کو کھنگالنے کی غرض سے کہا کہ گلاب کے بارے میں بھی اگر اسی قسم کی باتیں تُو نے کریں تو یہ نتیجہ اخذ ہوگا کہ تجھ میں مذاق کا فقدان ہے اس پر حبہ خاتون مخاطب ہوکر بولی گلاب کا پھول اُسے کچھ کچھ پسند ضرور ہے۔ اس پھول میں خوشبو بھی ہے اور

جاذب نظر رنگ بھی۔ یہ اپنے چاہنے والے کا دل بہلاتا ہے بُوالہوس اس کا رنگ دیکھ کر جھُومتا ہے مگر اس پھول کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ کانٹا اس کی زندگی کا ایک مستقل جُز بنا ہوا ہوتا ہے۔

لوُ نے یہ کیا نرالی بات سنائی؟ یوسف شاہ نے ذرا تیکھے انداز میں کہا ادھر زُون نے شاہ کا طنز یہ انداز تاڑ لیا اور معاً اس کے چُبھتے ہوئے فقرے کا برجستہ جواب علم و حکمت کے موتی رولتے ہوئے دیا۔

میں نے ٹھیک عرض کیا حضور! جس پھول کے ساتھ کانٹا نہ ہو، گلچین کو اس کے کاٹنے میں کوئی بھی لذّت حاصل نہیں ہوتی کسی چیز کے حاصل کرنے میں جب تک لذّتِ غم نہ مل جائے، تب تک اس چیز کی قدر و قیمت چھُپی ہی رہتی ہے

زُون کے جوابات سے جو فلسفیانہ استدلال اور فکر و نظر کی بلندی ظاہر ہوتی ہے اُس سے یہ اندازہ لگانا آسان ہو جاتا ہے کہ زُون کائینات کی حقیقت اور بنتی بگڑتی ہوئی دنیا کے فلسفے پر گہری نظر رکھتی تھی۔ اس کا مختلف پھولوں کے رنگ و بو اور شکل و صورت رکھنے کے بارے میں ارتجالاً مختلف نوعیت کے خیالات ظاہر کرنا اس کی وسیع معلومات، رنگین اور شاداب فکر، شاعرانہ گیرائی اور استدلالانہ باریک بینی پر ایک روشن دلیل ہے جسے یوسف شاہ چک ؎ آفتاب آمد دلیل آفتاب کے مصداق نہ صرف تسلیم کر چکا تھا بلکہ اپنے اس چندے آفتاب اور چندے ماہتاب محبوب زون کی ضیا بار اور جلوہ ریز شخصیت سے نظر کو نور اور دل کو سرور بخشنے والی کرنیں اپنے دامنِ نگاہ و دِل میں سمیٹتا رہتا تھا۔ زون کے پُربہار کلام کی خیال انگیزی اور فصاحت نے شاہ کے سمندِ شوق پر ایک اور تازیانہ لگا دیا اور اس نے

زُون کو دھیرے دھیرے شعری گفتگو کے میدان میں اُتار لیا۔ یوسف شاہ نے زُون کے حُسن اور سراپا کو فطرت کے رنگ و نور بکھیرنے والے دِلآویز منظر سے تشبیہہ دے کر اس کی محبّت کے سامنے اپنی عقیدت کا خراج ادا کرنا شروع کر لیا لیکن زون یوسف کا یہ ہدیۂ محبت قبول کرنے کے ساتھ ساتھ خود بھی شاہ کیلئے ہمہ تن عشق اور ہمہ تن محبت و عقیدت بن کر سخن سرا ہوئی اور یوں اس رومان پرور جوڑے کے درمیان فصیح و بلیغ اور شعری گفتگو کا وہ سلسلہ چل پڑا جس نے اپنی شعری ہئیت کے اعتبار سے ایک ہلکے پھُلکے مشاعرے کی صورت اختیار کر لی اور شاہ و ملکہ کے درمیان سخن سنجی کا یہ فی البدیہہ سلسلہ مکالمے کی شکل لے چُکا

یوسف شاہ ـــــ یہ جو پھولوں کی کیاریاں ہیں انہیں تم سے محبّت ہے تمہاری ہی وجہ سے ان کی ہریالی قائم ہے۔ جنگل کے چکوروں نے تم سے ہی سُبک رفتاری سیکھ لی ہے۔ دیکھ تمہارے یہ گلاب رنگ رُخسار کس قدر شو بھا دیتے ہیں۔ انار کی کلیوں نے اصل میں تجھ سے ہی نارون رنگ مستعار لیا ہے۔ تمہارا اگر وزن کیا جائے تو ایک آدھ پھول کے برابر ہی ہوگا۔ اور دیکھ اب بادشاہ تجھ پر غالب ہونے لگا۔

حبّہ خاتون ـــــ جہاں پناہ! چنار کے سایہ میں جو اثر اور خاصیت ہے وہ بس تمہاری ہی وجہ سے ہے۔ باغوں میں کھِلے ہوئے پھول تجھ پر ہی رشک کرنے لگے ہیں۔ دیکھ کس قدر تم گراں قیمت ہو۔ میرا دل تمہاری ایک زندہ جاوید یادگار ہے۔ تمہاری گفتگو اور باتیں ساز و سنطور کے مدھر سُروں سے کچھ کم نہیں ؏ تیرا نام ہمیشہ کے لئے زندہ رہیگا اور دیکھ اس مقابلے میں پیچھے ہٹ جانا

تمہارا ہی کر دار ہے۔

زُون کی باتوں کا سرسری مطالعہ بتا دیتا ہے کہ وہ ایک پختہ خیال اور صاحبِ بصیرت شاعرہ تھی۔ وارداتِ قلبی کے اظہار اور جذبات واحساسات کو اِیجالاً شعر کا جامہ پہنانے میں کشمیر کے آخری خود مختار تاجدار کی اس ملکہ کو وہ ملکہ حاصل تھا جس کی صحیح تصویر اگر کھینچی جائے تو اس پر مبالغے کا گمان ہوگا۔ کئی نقادوں کا کہنا ہے کہ حبّہ خاتون نے اپنی سخن سنجی سے بادشاہ کو، جو خود بھی شعر فہم، سخن سنج اور ماہرِ علمِ موسیقی تھا اِس میدان میں بالکل ہرا کے رکھ دیا۔

**آمدِ خزاں** دنیا بھر کے سیّاح، سیاست کار، شاعر، ادیب، صوفی اور ہر مکتبِ فکر کے لوگ کشمیر کے فردوسی نظّاروں کی مدح سرائی کرتے آئے ہیں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ماضی البعید ہی سے مختلف غیر مُلکی حریصانہ نگاہیں رنگ ونُور کے اس مینو سواد چھوٹی سی دنیا پر پڑتی رہیں۔ یوسف شاہ چک چونکہ کشمیر کا ایک مقامی حکمران تھا اور بدقسمتی سے ایک نظر آخر کار اُسے کھا گئی اور وہ نظر کسی اور کی نہ تھی بلکہ مغلِ اعظم جلال الدین اکبر فرمانروائی ہندوستان کی۔ اکبر چاہتا تھا کہ اس وادی نُور کو اپنی سلطنت کی حدود کا ایک حصّہ بنا دیا جائے۔ اس وجہ سے اس کی ملک گیرانہ نظریں کشمیر پر سختی سے جمی ہوئی تھیں۔ وہ کبھی ایک بہانے اور کسی وقت دوسرے بہانے یوسف شاہ ہی کے عہد میں فوجی اقدام بھی کر چکا تھا۔

یوسف کشمیر کی ملکہ حبّہ خاتون اکبر کے اِن عامرانہ عزائم سے بہت پریشان خاطر تھی اور بار بار یوسف شاہ کو کسی نامعلوم اور بُرے انجام کی طرف اشارہ کر کے اندر کی سازشوں اور باہر کی شاطرانہ چالوں سے چوکنا رہنے کی تلقین کیا کرتی رہی۔ اکبر

جیسے طاقتور شہنشاہ کو اگرچہ کشمیر حاصل کرنے کے سلسلے میں یہاں کی جرار فوج کے ہاتھوں کئی بار مُنہ کی کھانی پڑی تھی، پھر بھی ملکہ حبہ خاتون اکبر اعظم سے خائف تھی اور اپنے محبوب یوسف کو اُس کی چالوں، برملا یلغار اور درپردہ ریشہ دوانیوں اور مُلک گیرانہ چالوں سے بچنے کے لئے گزارش پہ گزارش کرتی رہی۔ ایک دن امورِ سلطنت پر ملکہ نے ایک وزیر باتدبیر کی طرح کئی ٹھوس اور بنیادی باتیں شاہ کے ذہن نشین کرلیں اور اُسے آنے والے خطرات سے صاف طور آگاہ کرکے عرض کرلیا۔

"جہاں پناہ! اکبر اعظم کو کشمیر ہڑپ کرنے کا خیال ہے۔ وہ ضرور ہم پر حملہ کردے گا ہمیں اس لئے ہوشیار اور چوکنا رہنا چاہیئے۔ ایک شیر جب شکاری کے ہاتھوں زخمی ہوجاتا ہے وہ اور بھی غضب ناک بن جاتا ہے۔ کشمیریوں نے اکبر کو ایک بار شکست دی مگر وہ ضرور دوبارہ حملہ کردیگا۔ ہم اگر بے خبر رہے تو خرابی ہوجائے گی کشمیر عمر بھر کے لئے غلام بن کے رہ جائیگا"۔

یوسف شاہ اگر اپنی ملکہ کی دلیل اور استدلال پر غور کرکے عمل کرلیتا تو اُسے اکبر اعظم کے ہاتھوں وہ روزِ سیاہ دیکھنا نہ پڑتا۔ یوسف شاہ کو آخر کار ایک بزدلانہ چال سے دِلّی لے جاکر گرفتار کرلیا گیا اور لُطف کی بات یہ ہے کہ راجہ بھگوان داس کی معیت میں اکبر کے بُلاوے پر دلی جانے سے قبل حبہ خاتون نے اُسے کہہ دیا کہ شہنشاہ کی طرف سے بُلاوا ایک سازش کے سوا کچھ نہیں۔

ملکہ حبہ خاتون فطرتاً ایک ایسی وطن پرست ملکہ تھی جو اپنے وطن کے لوگوں کو خوشحال اور آزاد دیکھنا چاہتی تھی اور وہ اسی قسم کے مشورے یوسف شاہ کو ہمیشہ دیا کرتی تھی۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ کشمیر کی خوشحالی اور آزادی کے ساتھ ساتھ اُس کا

یوسف بھی ہر خطرے اور آفت سے محفوظ رہے۔ اکبر اعظم جب فوجی طاقت کے استعمال سے کشمیر حاصل کرنے میں ناکام رہا تو اُس کی طرف سے راجہ بھگوان داس صلح کی پیش کش لے کر یوسف شاہ کے دربار میں حاضر ہوا۔ یوسف شاہ اور اس کے وزیر محمد بٹ نے آپس میں کچھ مشورے کرنے کے بعد اس کی اس پیش کش کو منظور کر لیا اور اس طرح یوسف شاہ سلطنتِ مغلیہ کی راجدھانی دلّی جانے کے لئے تیار ہوا۔ حالانکہ یوسف شاہ نے جب امرائے سلطنت کو اپنے ارادے سے باخبر کرنے کے لئے بلایا اور اکبر اعظم کا پیغام سنا کر اُن سے مشورہ طلب کیا تو اُنہوں نے یک زبان ہو کر اُسے وہاں جانے سے یہ کہہ کر قدغن لگائی ؎

که شاها نگهداری ملک و مال | ز شاهاں بجز تیغ باشد محال
ملکن کار بر رسم فرار گاں | مدہ ملک در دست بیگانہ گاں
چہ خوہا کہ اجدادِ تو خوردہ اند | کہ ایں ملک را ملک خود کردہ اند
تو مفتش بدست سیاہاں مدہ | جگر بند خود پیش زاغاں مدہ[1]

یوسف شاہ چک کی چہیتی ملکہ نہ صرف پوری قوت کے ساتھ اکبر کی اس پیش کش کی مخالفت کر چکی بلکہ یوسف شاہ کے لئے اِسے شرم کا باعث بھی سمجھی۔ اس نے یوسف شاہ سے التجا کی کہ وہ اکبر کی پیش کش کو مسترد کر لے، مگر بدقسمتی سے یوسف نے ملکہ کی کوئی دلیل قبول نہ کی۔ اِس موقعہ پر جو خیالات اُس نے شاہ کو پیش کئے اُن سے حبہ خاتون کی عالی حوصلگی اور حب الوطنی کی نشاندہی

---

[1] تو فیق کی تاریخ سندص ۱۷۱ھ - ۱۸اھ قلمی نسخہ، ماخوذ از شیعانِ کشمیر مرتبہ حکیم غلام صفدر ہمدانی

ہوتی ہے وہ یوسف سے کہہ چکی

جہاں پناہ! جوں ہی آپ دلّی چلے جائیں گے، یہاں لوگ کم ہمت ہو جائیں گے۔ وہ جان لیں گے کہ بادشاہ دباؤ میں آکر خود اکبر اعظم کے پاس منت سماجت کرنے کے لئے چلا گیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ راجہ بھگوان داس وہاں سے جو دبدبۂ شاہی سے یہاں آیا، اس کا وہ دبدبہ یہاں پہنچ کر کیوں کر کرا ہو کے رہ گیا۔ یہ کیوں مقابلہ کرنے سے کنّی کترا رہا ہے۔ ہم اس وقت اکبری فوج کے ساتھ مقابلہ کے لئے بالکل تیار ہیں۔ خدا نے چاہا تو مغلوں کا ایک بھی سپاہی یہاں سے لوٹ کر نہیں جا سکتا۔ ہم اُسے دکھا دینگے کہ اگر خدانخواستہ مغل فوج کامیاب ہو گی مگر اُن کا راستہ کشمیریوں کی لاشوں کے اوپر سے ہی ہو گا۔ ہم اکبر کو دِکھانا چاہتے ہیں کہ ہم اپنے وطن میں آزاد رہیں گے یا اس کی خاطر اپنی جان قربان کریں گے۔ وہ مقابلہ کے لئے اگر آنا چاہتا ہے تو آتا کیوں نہیں۔ میدانِ کارزار میں ہی فیصلہ ہو گا کہ پلّہ کس کا بھاری رہتا ہے۔

زُون نے یوسف شاہ کو سیاسی اور مُلکی واقعات کا تجزیہ کر کے اہم حقائق سمجھانے اور آنے والے خطرات سے آگاہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اور اکبر کے دِلّی جانے کی مبنی بر حقائق مخالفت کر لی۔ جس کی تائید بعد میں تاریخ نے تو کر لی، مگر اس وقت جب یوسف شاہ کے لئے موقع تھا کہ وہ اپنی وفا شعار ملکہ اور محبّ وطن خاتون کے مشورے پر عمل کرتے۔ تقدیر نے نہ جانے اُسے کیوں غلط راہ پر ڈال دیا یوسف شاہ، جو حبّہ خاتون کے لئے سب کچھ قربان کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتا تھا اس موقعہ پر اس کی ہر دلیل اور ہر بات ٹھکرا کر اس کی خواہش کے برعکس

چل کر راجہ بھگوان داس کی باتوں میں آگیا اور حبّہ خاتون کو گھایل پنچھی کی طرح مضطرب چھوڑ کر دِلّی کی طرف چل پڑا۔

اکبرِ اعظم کا جرنیل راجہ بھگوان داس یوسف شاہ کو یہ وعدہ دے کر دِلّی لے جانے میں کامیاب ہوا کہ وہ اُسے باعزّت اور باحترام واپس بھجوائیگا اور کشمیر کی خود مختاریت کو بھی کوئی خطرہ لاحق نہ ہوگا۔ مگر ہوا یہ کہ بھگوان داس نے یوسف شاہ کو اٹک کے مقام پر اکبرِ اعظم کے سامنے پیش کیا، جس نے اگرچہ اس کی برائے نام آؤ بھگت کی، لیکن کچھ وقت کے بعد جبکہ یوسف شاہ اپنے آپ کو ایک تازہ وارد مہمان سمجھتا تھا گرفتار کر کے اُسے صوبہ بہار کے ضلع پٹنہ میں واقع "بسوک" زندان میں رکھنے کا حکم دیا۔ اس طرح یوسف شاہ چک پھر کبھی کشمیر واپس آسکا نہ کشمیر کی آزادی برقرار رہ سکی۔

**ہجرِ یار** یوسف شاہ اُدھر "بسوک" کے قید خانے میں اکبرِ اعظم کی "شانِ میزبانی" اور مُلک گیرانہ چال کی داد دیتا رہا اور اِدھر اس کی جدائی میں اس کی شریکِ حیات ملکہ حبّہ خاتون ہر لحہ آتش زیر پا رہی۔ جُدائی کی آگ نے اس کے دِل و دماغ کو جلا کر بھسم کر رکھا۔ وہ زندگی کا توازن کھونے لگی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اُسے شاہی محل کی دیواریں کاٹ کھانے کو دوڑتیں اور ذرّہ ذرّہ تیرِ غم بن کر دِل میں چُبھتا۔ اس کے نتیجے میں کئی مؤرخوں کے لِکھنے کے مطابق زون نے شاہی محل چھوڑ دینے اور شاہانہ زندگی سے مُنہ موڑ کر ویرانوں کی راہ لی۔ اس کا دِل بستیوں میں گھبرانے لگا۔ وہ خرابات میں اپنا ویران دِل لے کر یوسف کو تلاش کرتی رہی۔ اُسے اب یقین ہو چلا تھا کہ اُس کی زندگی کا گلشن لُٹ چکا۔ اس کی بہاریں خزاں میں بدل چکیں

اس بات نے اُسے پاگل بنا دیا۔ وہ دیوالوں کی طرح بیابانوں میں جاکر اپنا سر ٹکرا ٹکرا کر یوسف کو ڈھونڈنے لگی

حبہ خاتون کی نگاہیں ہر طرف اُٹھ اُٹھ کر یوسف کو تلاش کر رہی تھیں وہ اس کی حسین یاد کو دِل میں بسا کر اور اُس کے فراق کی آگ میں جل کر کباب ہو رہی تھی۔ دُنیا میں رہ کر دُنیا سے اس کی تمام تر دلچسپیاں ختم ہو چکی تھیں اُس کے دِل میں اگر کسی چیز کی یاد باقی تھی تو وہ صرف یوسف کی اور لب پر اُسی کا نام یوسف شاہ چک اُدھر "بِسوک" کے تاریک زندان میں اپنی محبوبہ باوفا حبہ خاتون کے لئے تڑپ تڑپ کر زندگی کے کڑوے کسیلے لمحے کرب و اضطراب کے ساتھ گزار رہا تھا، اِدھر ملکہ کا متاع صبر و ہوش زمانے کے فریب کے ہاتھوں تاراج ہو چکا تھا۔ حبہ خاتون کی زندگی کا یہ آخری دَور تھا جو الم انگیز جنوں اور جنوں انگیز الم کے ویران نقوش لئے ہوئے زُون پر پڑی ہوئی بپتا کی وہ کتاب بن چکا تھا، جس کا ہر حرف، ہر لفظ اور ہر فقرہ غم والم، رنج و اندوہ، حسرت و فراق، یاس و نا اُمیدی اور وحشت و جنوں کا مفہوم لئے ہوئے تھا اسی عالم میں زون کبھی کلیوں سے اپنے یوسفِ گم گشتہ کا پتہ پوچھتی پھرتی اور کبھی بہاروں کی رعنائیوں سے یوسف کے کھو جانے کا واقعہ بیان کرتی، کبھی خزاں کی ہواؤں سے باتیں کرتی اور کبھی جھلمل جھلمل کرتے تاروں میں اپنے یوسف کو تلاش کرتی وہ ایک دِن اپنے کھوئے ہوئے یوُسف کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے ایک مست و مخمور ندی سے ہو کر گزری اور اس کے قریب بیٹھ کر اُس سے مخاطب ہو کر شکوہ سرا ہوتی ہے۔

اے آزاد طبع پانی کی بہتی ہوئی ندی! بتا تم کہاں دوڑ رہی ہو؟

تم کس لئے یہ سینہ کوبی کر رہی ہو، کس کے طواف اور تلاش میں رواں دواں ہو۔ تم تو کسی مبہوت اور دم بخود شخص کی طرح نہ جانے کہاں دوڑتی جارہی ہو تم برف سے ڈھکے ہوئے پہاڑوں اور چوٹیوں کی گود میں آج تک آرام سے بیٹھی تھی۔ آخر اپنا مسکن چھوڑنے پر اس قدر بے قرار کیوں ہوئی؟ کیا تم بھی میری ہی طرح سوزِ دروں سے جل رہی ہو، کیا تیری امنگوں اور آرزؤں کا خرمن بجلیوں کی زد میں آکر نذرِ آتش ہو چکا ہے۔ تو نے اپنے نورانی چہرے کو خاک آلود کیوں کر ڈالا ہے؟ کیا تو بھی اپنوں کے تیرِ ستم کا شکار ہو گئی ہے؟ نہ معلوم کہاں خوف زدہ ہو کر دوڑی جارہی ہو۔

ان باتوں اور استفسار میں حبّہ خاتون اپنی مجنونانہ کیفیت کے باوجود اپنے قلبی واردات کی صحیح عکاسی کرتی ہے اور اکبر اعظم اور اس کے جرنیل راجہ بھگوان داس کے فریب اور دھوکہ بازی کی طرف واضح اشارہ کرلیتی ہے اور اپنے سرتاج یوسف شاہ کی ضد اور ہٹ دھرمی کا گلہ شکوہ بھی۔ یہ نکتے حبّہ خاتون کی انتہائی قنوطیت کی وضاحت کرتے ہیں۔ غم جب اپنی انتہا کو پہنچتا ہے تو عام طور انسان حواس کھو جاتا ہے لیکن وارفتگی اور غم کی لرزہ خیز یلغار کی زد میں آنے اور بے گانۂ ذوقِ حیات ہو جانے کے باوصف بھی ملکۂ کشمیر کے فلسفیانہ خیالات اور نِتھرے سُتھرے محسوسات بھی قابلِ تحسین ہیں۔ حبّہ خاتون کو جب اس بات کا یقین ہو چکا کہ یوسف اب واپس آنے کا نہیں تو وہ خُون کے آنسو رو رو کر آبشاروں اور جوئباروں کے قریب اور پہاڑوں پر جا کر اپنے کھوئے ہوئے یوسف کو اس انداز میں پکارتی ہے کہ اُس کی ہر پکار سے ہر دردمند انسان کا دِل چھلنی ہو جاتا ہے۔

اسی عالمِ وارفتگی میں وہ ایک دِن کسی ندی نالے کے کنارے جا بیٹھی موسم سردیوں کا تھا اور وقت شام کا۔ پاس کے گاؤں کے دو خوش فکر نوجوان وہاں سے گزرے جنہوں نے دُور ہی سے اس کو پہچان لیا اور پاس جا کر کہہ دیا، چلو بہن گھر چلیں سردی ناقابلِ برداشت حد تک بڑھ گئی ہے ہم مرد ہیں، نوجوان ہیں اور سرد ہوا کے جھونکوں سے تو ہماری جان نکلی جا رہی ہے مگر تم تو عورت ذات ہو یہاں رہ کر بڑی تکلیف ہو گی اور پھر رات کو جانوروں کا بھی خطرہ رہتا ہے۔ حبہ خاتون جس کا دِل اندر ہی اندر سے یوسف کے آتشِ فراق میں جل رہا تھا بولی کہ جس آگ میں وہ جل رہی ہے اُسے اس ندی کا پانی بھی ٹھنڈا نہیں کر سکتا ہاں! یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ آگ کی لپیٹوں سے کوئی بھی بچ نہیں سکتا لیکن میں تو بالکل اچھی طرح سے ہوں۔

یہ سُن کر اُن دونوں نوجوانوں نے اُسے گھر چلنے کے لئے دوبارہ کہا اور اصرار بھی کیا لیکن وہ معنی خیز مجنونانہ اضطراب کے ساتھ کہہ اُٹھی۔ گھر، کونسا گھر، کیسا گھر[۱]، ابھی تو مجھے گھر جانے میں فرصت ہی فرصت ہے۔ بھئی آپ متفکر کیوں ہو رہے

---

[۱] یہ کشمیر کے اُسی خود مختار بادشاہ یوسف شاہ چک کی چہیتی ملکہ کا کہنا تھا جس کے بارے میں کہا جاتا ہے "فتح کدل سے ڈلحسن یار تک چک بادشاہ یوسف شاہ کے محلات بنے تھے۔ چنانچہ جانکی ناتھ بالہامی کے احاطہ میں تیس چالیس برس پہلے ایک مُرصع ڈبہ نِکلا تھا جس میں الماس میں جڑاؤ کئے ہوئے کڑے موجود تھے۔ اس جگہ ملکہ حبہ خاتون کا حمام واقع تھا"
(کلچرل اکادمی خبرنامہ جلد ۲، جنوری ۱۹۷۵ء، شمارہ ۱)

ہیں فی الحال میرا گھر ندی کا یہی کنارا ہے جہاں میرے بہت غمگسار اور غمخوار ہیں جہاں یہ ندی اُدھر سے رو رہی ہے اور یہیں یہاں سے جہاں درخت پودے اور گُل بوٹے میرے محبوب کے انتظار میں پژمُردہ ہوئے ہیں۔ دیکھو بھائی! اگر اعتبار نہ آئے تو سُن لو یہ ندی میرے اُس پیا کے فراق میں کیسے نالہ کناں ہے

ڑِکمیوسو یہِ میانِہ بڑم دِ بھَ ریِنو نکھو — ڑِکیھو گیئی میائنی ڑِی
ڑکھ ترا و ڑِی ملانِہ وو ندِ چُھے نا یوان — ڑِکیھو گیئی میائنی ڑِی
نِصفے راتن بر وُھتی ترآے مے — سائقاہ یِکھنا ڑِی
بھیرِ چُھینِہ کینہہ تے بھیرِ چُھکھ یاوان — ڑِکیھو گیئی میائنی ڑِی
مَدن وارو بدن ہا زو لبھتم! — گو ڑھ ہم مہ آدن ڑِی
... شمو خمن چھسیا ہاران — ڑِکیھو گیئی میائنی ڑِی
سراوِ نُن شین زن یہ گلان آیہ سے — باغس بھوجہ سے بُہ ہِی
چُونے باغ تے ڑِی ولو چھاوان — ڑِکیھو گیئی میائنی ڑِی
زوہ لِہ چھم نا یوان موہ لِہ چُھکھ واوان — غم چھُم وآنجبِہ سئے
زاہَہ چھُکھ یِہ دود مُت سینِہ شہلاوان — ڑِکیھو گیئی میائنی ڑِی
تَن چھسے ناواں، جامِہ چھسے پاڑان — ہاوان چھس یو چاًنی ڑِی
بینِس پالس گرایِہ چھُکھو ماران — ڑِکیھو گیئی میائنی ڑِی
اوش چھَ سے نزاوان یُہ ہا ژالِہ ژالے — مہ ہا بالہِ گو ڑھم ڑِی
ڑِکوو وتِہ میانِہ آکہ مُشی راوان — ڑِکیھو گیئی میائنی ڑِی

حبہٕ خولوٗتن چھے ارمان کھیوان     کرٕمے ہٕز زانِہہٕ بنٛدگی
یاوُن رودمُت یاد چھُکھ پاوان     ژِ کیہو گیٔی میانٛی دٕہی

ترجمہ:

تجھے میری کون سی سوکن فریب دیکر اپنا چکی ، مجھ سے یہ نفرت میرے محبوب کیوں؟
کیا تیرا دل یہ غصہ و نفرت چھوڑنا پسند نہیں کرتا ، مجھ سے یہ نفرت میرے محبوب کیوں؟
میں نے آدھی رات تیرے لئے ہی دروازہ کھلا چھوڑا ، کاش ایک ہی لمحہ کیلئے تم آجاتے، ہم دونوں ایک ہیں لیکن تو ہے جو دوئی پیدا کرتا ہے، مجھ سے یہ نفرت میرے محبوب کیوں
اے میرے محبوب! تو نے مجھے بھسم کر کے رکھ دیا، مجھے تو صرف تو ہی تو چاہیئے تیرے لئے میں ان بادام آنکھوں سے خون کے آنسو رو رہی ہوں، مجھ سے یہ نفرت میرے محبوب کیوں؟ میں تیری جُدائی میں ساون کی گرمی میں تو دہ برف کی طرح پگھل گئی۔ باغ میں جوہی کے پھول کی مانند میں کھل چکی۔ آ یہ باغ تیرا ہی ہے تو ہی اِس سے پھول چُن ، مجھ سے یہ نفرت میرے محبوب کیوں؟
تیرے بغیر مجھے کیسے نیند آسکتی ہے تو تو لیکن اِس سے بے پرواہ ہے اور اِس بات سے میرے دِل کو دُکھ ہو رہا ہے۔ کبھی تو میری اس جلتی ہوئی چھاتی کو ٹھنڈک بھی تو پہنچا ، مجھ سے یہ نفرت میرے محبوب کیوں؟
میں تیرے لئے نہا دھو کر سولہ سنگھار کر کے منتظر ہوں، تیری قسم اُٹھا کر سچ کہتی ہوں لیکن تُو تو اپنے پر نازاں اور مجھ سے بے نیاز ہے، مجھ سے یہ نفرت میرے محبوب کیوں؟ میری آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی ہے، مجھ دکھیاری کو بس تُو ہی تُو چاہیئے ، نہ جانے کیوں میری راہوں کو تم بھلا رہے ہو

مجھ سے یہ نفرت میرے محبوب کیوں ؟ یہ تیری حبہ خاتون اس لئے کفِ افسوس مَل رہی ہے کہ اس نے کبھی تیری دِلجوئی نہ کی، تُو اسے کھوئی ہوئی جوانی یاد دِلا رہے ہو، مجھ سے یہ نفرت میرے محبوب کیوں ؟

اس گیت کے ہر شعر میں حبہ خاتون کا زخمی دِل دھڑکتا اور اس کے دِل کا ہر گھاؤ نمایاں نظر آتا ہے ۔ اس گیت کا ہر شعر اس کے دکھوں اور بے پناہ مصائب کی داستان بیان کر رہا ہے ۔ اس کا ہر شعر بتا رہا ہے کہ کل کی ملکہ آج کی بیراگن ہے کل جس کی زندگی ہمہ تن بہار تھی آج وہ پامالِ خزاں ہو چکی ہے حبہ خاتون کی یہ تخلیق جو بجائے خود اس کی المناک اور کراہتی ہوئی زندگی اور درد و فراق کی مکمل تصویر ہے، کشمیری ادب میں ایک ایسے شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے جس کا جواب اس فصاحت و نزاکت کے ساتھ پیدا نہ ہو سکا حبہ خاتون کا دِل ہجرِ یار کے ہاتھوں گُلِ صد رنگ کی طرح پارہ پارہ ہو چکا تھا۔ وہ یوسفِ گم گشتہ کے فراق میں خونِ جگر آنکھوں سے بہاتی اور عالمِ خیال میں اُس سے گِلے شکوے کرتی اور رہ رہ کر کرب انگیز حالت میں آہوں اور آنسوؤں کے درمیان اپنے آپکو تسلی بھی دے دیتی ۔

افسوس وہ بھاگ گیا، آخر کار بھاگ گیا ۔ جو چلا جاتا ہے بھلا وہ واپس کہاں اور کیوں کر آسکتا ہے ۔ میرے سرتاج افسوس اس بات کا کہ جب تم چلے گئے تو اس وقت میری طرف مڑ کر بھی نہ دیکھا ۔ میرے مالک ! حریف لوگ تھے وہ جو تجھے فریب اور دھوکے سے لے چلے ۔ تم انتہائی تیز تیز دوڑ رہے ہو لیکن اب تو وہاں ہی میرا انتظار کرنا ایسا نہ ہو کہ وہاں بھی مجھے تمہارے لئے چلا آنا

پڑے۔ میرے پیا! بتاؤ تم کہاں گئے ذرا واپس تو چلے آنا۔ اے میرے سادہ
لوح محبوب! جس پر نہ گزری ہو وہ کہاں جدائی کی تکلیف محسوس کر سکتا ہے
آخر کار مل کے ہی رہیں گے، میرے پیا۔

**بادیہ پیمائی** شبانہ روز کی مسلسل جادہ پیمائی اور بادیہ نوردی سے
آہستہ آہستہ [illegible] حالت غیر ہونے لگی۔ ملکہ سے جوگن بن کر بالکل
دیوانوں کی [illegible] وہ زمین کے ذرّوں اور آسمان کے تاروں میں، چمن
کے پھولوں اور درختوں کے پتوں میں، دریا کی موجوں اور پانی کے قطروں
میں، دن کی روشنی اور رات کی تاریکی میں اپنے یوسف کو سدا تلاش کرتی
پھرتی۔ وہ جس چیز کے قریب جاتی اور جو چیز سامنے آتی اُس سے اپنے
یوسف کے بارے میں ضرور پوچھ لیتی۔ ایک دفعہ وہ ایک پھلواڑی کے پاس
سے گزر رہی تھی تو پھولوں سے مخاطب ہو کر اپنے بچھڑے ہوئے محبوب کے
بارے میں پوچھتی ہے۔ وہ جو میرا پھولوں کا شہزادہ تھا وہ کہاں اور کس
طرف چلا گیا۔ کہیں وہ صحراؤں میں بھٹک تو نہیں گیا۔ اسے کھونے میں شاید
دیر ہو گئی۔ مجھے پوری آس ہے کہ وہ یہاں سے ہی واپس لوٹ کے آئے گا۔

پھولوں سے یہ خطاب کر کے وہ باغ کی دیوار پر چڑھ گئی۔ دیوار پر
کھڑی کھڑی باغ کے مالی سے کچھ دیر پہلے یوسف سے متعلق باتیں کرتی رہی
مالی جو ہیر کو [illegible] حالت پر ترس آیا اور اُس سے التجا کی جیسی آپ دیوار
پر تھک گئی ہیں۔ ذرا نیچے اتر کر باغ میں بیٹھ جائیے اور آرام کیجئے۔ مگر ہیر
نے بے ساختہ جواب دیا:

"میں تو جان بوجھ کر اپنے آپ کو تھکا دیتی ہوں، مگر یہ کسی بھی طرح تھکتا نہیں۔ سورج بھی صبح کے وقت طلوع ہو کر شام کو غروب ہو جاتا ہے، لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس قدر سخت جان ہوں کہ میرا جسم تھک کر سورج کی طرح غروب ہی نہیں ہوتا۔"

حبہ خاتون نے مالی سے کچھ پھول لانے کو کہا۔ باغ کا مالی فوراً مختلف قسم کے پھول چُن کر احترام کیساتھ اُسکے سامنے رکھ چکا لیکن حبہ خاتون نے ان تمام قسم کے پھولوں کو ناپسند کر لیا۔ مالی نے کہا تو پھر کس قسم کے پھول آپ چاہتی ہیں۔ اُس نے جواب دیا

نہیں بھیا، "تم تو ایسا پھول لاؤ جو آسمان کی طرح رنگ بدل رہا ہو جو اسی کی طرح مختلف روپ دھار رہا ہو، کبھی ہنستا ہوا دکھائی دے اور کبھی روتا ہوا، کبھی کچھ ہو اور کبھی کچھ۔ کبھی رحمت ہو کبھی زحمت۔ حبہ خاتون بار بار رنگ بدلنے والے آسمان کی کج رفتاری اور زمانے کی بے ثباتی اور ناموافقیت کا شکوہ کر کے مالی کو آلِ زندگی جس خوبی اور صفائی کے ساتھ سمجھا چکی، اس کا اندازہ شاید وہ نہ لگا سکا ہو۔

جب کسی انسان کی زندگی حالات کے ہاتھوں تلخ سے تلخ تر ہو جاتی ہے اور جب مصائب و آلام کے پہاڑ اُس پر لوٹ پڑتے ہیں تو اُسے کسی ایک حال میں اور کسی ایک جگہ چین نہیں آتا وہ آتش زیر پا ہو جاتا ہے اور زندگی اس کے لئے وبالِ جان اور اندوہ افزا بن جاتی ہے۔ فراقِ یوسف نے اُسے ماہیِ بے آب کر رکھا تھا۔ وہ بادِ صبا کی طرح بیقرار ہو کر اِدھر اُدھر

دیوانہ وار پھرتی، ہنبر دعشق میں اُس کے پاؤں بھی زخمی ہو گئے تھے اور جسم بھی نڈھال۔ باغ کے مالی نے جب اُس سے ازراہِ ہمدردی کہا 'بہن اب ذرا ایک جگہ بیٹھ کر آرام کر لیجئے آپ تھکی تھکی سی نظر آرہی ہیں اور آپ کا جسم خستہ اور ماندہ ہوتا جا رہا ہے۔ اُس نے، جسے اپنے بدن کے نڈھال ہونے کی مُطلق پرواہ نہ تھی اور وہ جو صحرا نوردی اور جادۂ پیمائی ہی کو حاصل حیات سمجھ کر اپنی آہوں سے فضا میں ارتعاش پیدا کر رہی تھی ایک ٹھنڈی آہ بھر کر۔ مالی سے کہتی ہے۔

بھائی! گردش میں رہنا ہی اچھا ہے۔ جب تک انسان سے ہو سکے اُسے چلنا چاہیئے۔ جب اُس کی ٹانگیں چلنے سے جواب دیں تو انسان خود بخود بیٹھ کے رہ جائے گا۔

**آخری واپسی** کہا جاتا ہے کہ اُسے صحرا نوردی کے ہاتھوں تھک جانے کا احساس نہ تھا مگر آخر وہ کب تک تھک نہ جاتی۔ اس واقعہ کے بعد ایک ایسا دن بھی آیا جب کہ وہ غمِ عشق اور مصائبِ فراقِ یار کا مقابلہ کرتے کرتے تھک کر ایک ویران جگہ پر آکر بیٹھ گئی۔ لیٹے لیٹے اس نے عالمِ وارفتگی میں ہی اپنی زندگی کے مختلف موڑوں پر نگاہ ڈالی۔ اپنے جنّت بکف ماضی سے نظریں ہٹا کر اپنے خزاں دیدہ حال پر غور کر لیا۔ اُن دشوار اور المناک راہوں کا جائزہ لیا، جن سے گزر کر وہ اس مقام تک آپہنچی تھی اور اپنی زندگی کے المیہ پر مُسکرا کر آنے والے سفر کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنا شروع کر دیا ہے اس خود کلامی میں وہ اشارہ کرتی

اب تو میں منزلِ مقصود تک پہنچ چکی، کوئی بھی اب مجھے یہاں سے اُٹھا نہیں سکتا اور نہ میں کسی کے اُٹھائے اُٹھ سکتی ہوں۔ کس قدر سخت جان واقع

ہوئی ہوں۔ مجھے اتنی اُمید نہ تھی کہ اس قدر بار الم سہہ سکوں اور بادیہ پیمائی سے کام لے لوں۔ اے میری جانِ ناتواں! تُو نے آج تک ٹھوکروں پر ٹھوکریں کھائیں، کٹھن مصیبتوں کے ساتھ مقابلہ کرنا پڑا۔ میں اس قدر غم و آلام سہنے کے بعد شماتتِ ہمسایہ سے بچ نہ سکی۔

یاس و حرماں کی تاریکیوں میں گھر کر بھی شاید حبہ خاتون کچھ پُر امید تھی اور اسے خیال تھا کہ یوسف گم گشتہ اُسے کہیں نہ کہیں مل ہی جائے گا۔ لیکن آخرکار جب اُسے اپنا کٹھن انتظار بے معنی دکھائی دیا، امیدوں کے گھروندے لوٹتے نظر آئے، شکوہ سنجی کرتے ہوئے اپنی بدقسمتی پر وہ حسرت و افسوس کے آنسو بہانے لگی۔ میں جانتی تھی کہ تیشہ کی چوٹ سے پتھروں کے بطن میں چھپے ہوئے لعل و جوہر باہر آجاتے ہیں اور میں بھی بڑے بڑے پتھروں کے ساتھ اپنا سر ٹکرا چکی تھی لیکن مجھے اپنا وہ جوہر ہاتھ ہی نہ آسکا۔ سچ کہا ہے علمدار کشمیر نے ؎

لو بُلا لیتا ہے داتا بہت سوں کو اپنی اور
کچھ کے دریا بن گئے رِس رس کے نالے ندیاں
آنکھیں اُلٹی ہو گئیں دارو سے کچھ کچھ کی یہاں
ٹڈیوں نے بہت سوں کے کھیت پک کر ڈھا دیئے

حبہ خاتون جس جگہ لیٹ چکی تھی وہاں سے قدرے فاصلے پر ایک پن چکی تھی جہاں قرب و جوار کے لوگ آٹا پسوانے کے لئے آیا کرتے۔ اس پن چکی کا مالک گھر جاتے ہوئے اس جگہ سے گزرا، جہاں وہ دراز پڑی تھی۔ چکی والے کو دیکھ کر اس سے پوچھ لیا۔ بھیا چکی میں کیا کچھ پیستے ہو؟ بولا مختلف قسم کے اناج

حبہ خاتون کو اکبر اعظم کی چال نے پاگل بنا دیا تھا جس نے اس کی دنیا کو لوٹ لیا تھا طنزاً وہ چکی والے کی طرف مخاطب ہو کر بولی کیا ارماں بھی پیستے ہو، بھئی یہ جنس بھی پیس لینا سیکھ لو۔

یہ سن کر چکی والا خاموش ہوا۔ اتنے میں شام کا وقت قریب ہونے لگا اور چکی والا گھر جانے کے لئے پر تول رہا تھا، اس نے حبہ خاتون کو اپنے ساتھ چلنے اور اسے اپنے گھر پر رات گزارنے کو کہا۔ لیکن اس نے انکار کرتے ہوئے اتنا کچھ کہا کہ اگر توفیق ہے تو ایک دیا جلا کر یہاں رکھ چھوڑ دو۔ چکی والا کسی جگہ سے مٹی کا دیا لایا اور اس میں تیل ڈال کر اُسے روشن کیا۔ اُدھر گاؤں کا گڈریا اپنی بھیڑیں ہانکتے ہانکتے گا رہا تھا۔ گڈریے کا گانا سُن کر حبہ خاتون کے زخم ہرے ہو گئے، جن پر دردِ فراق نے نمک پاشی کرلی۔ وہ خشمناک لہجے اور تلخ آواز میں یک لخت چیخ اُٹھی

ان گڈریوں کے منہ بند کرالو۔ ان سے کہدو کہ وہ خاموش رہیں، کسی کے زخموں پر نمک پاشی کرنا اچھی بات نہیں۔ یہ وہی زون کہہ رہی تھی جس کے رس بھرے گیتوں کی ہوشرُبا آواز سے یوسف شاہ چک زعفران کے کھیتوں میں اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھا تھا اور مرغِ بسمل بن کر زون کے دامِ محبت میں اسیر ہو گیا تھا۔ یہ وہی حبہ خاتون تھی جو ایک میٹھی تان سے وجد میں آکر رقص کرنے لگتی، جو موسیقی کی دلدادہ اور ساز و سنگیت پر اُستادانہ عبور رکھتی تھی۔ اب وہی زون اور وہی حبہ خاتون اور ملکۂ کشمیر گویئے کی آواز سے خوف زدہ ہو جاتی تھی۔ گڈریئے کی آواز سے اُس کی وحشت بڑھنے لگی اور نقشِ فریادی بن چکی تھی۔

زون کہہ اُٹھی، ان سے کہدو کہ آج مجھے گانا سُننے کے لئے فرصت نہیں، کوئی

لطف نہیں۔ کہدو کہ حبہ خاتون ساز و سنگیت پر پروانہ وار جلتی تھی وہ آج اس دھرتی پر موجود نہیں وہ کب کی چلی گئی ہے۔ یہ ساز بند کر دو، میں خود ساز بھی ہوں اور آواز بھی

رات کا زیادہ حصہ گزر چکا تھا اور اس کے ساتھ زون کی زندگی کا سفر بھی اب ختم ہوا چاہتا تھا۔ مٹی کا دیا جو اس کے سامنے جل رہا تھا تیل ختم ہونے کی وجہ سے اب سنبھالا لے رہا تھا۔ اِدھر اُس دیئے کا تیل ختم ہوا اور اُدھر زون کی زندگی کا چراغ بھی ٹمٹمانے لگا۔ دیئے کی بتی خشک ہو چکی تھی اور اب اس کی لو بھی تھرتھرانے لگی تھی۔ چراغ بجھ جانے سے پہلے بھڑک اُٹھتا ہے اور پھر یک لخت خاموش ہو جاتا ہے۔ زون کی زندگی کا چراغ بھی بجھ جانے سے پہلے سنبھالا لینے لگا اور بجھتے ہوئے مٹی کے دیئے سے ہم کلام ہوتی ہے۔

میرے ہمراز دیئے! تمہاری یہ تھرتھراہٹ کیوں اور کس لئے، لرز کیوں رہے ہو۔ تم اگر جلنا نہیں چاہتے تھے مگر تجھے جلنے کے لئے ہی بنایا گیا ہے۔ سُن او دیئے! اصل میں جلنے کے لئے ہی جنم لینا پڑتا ہے، بس جلنے اور پھر جل کر بجھ جانے میں یہ ڈر کیا مطلب! دیکھ تمہیں جل کر ہی ایفائے وعدہ کرنا ہے۔ بادِ خزاں کے ساتھ مقابلہ کرنا ہوگا۔ تو نے میری طرح یہ آگ برداشت کرنا ہی ہے

زون کی زندگی کی یہ سیاہ رات سحر ہونے کو آئی۔ وہ ٹمٹماتے اور سنبھالا لیتے ہوئے چراغ کے قریب رینگ رینگ کر سرکتی، کھسکتی چلی آئی اور اُس کی خشک بتی اُکسا اُکسا کر اُس کی ڈھارس بندھانے لگی۔ اپنے سامنے کے اُس چراغ کو اپنے چراغِ زیست کے بجھ جانے سے قبل گل ہونے سے روک لیا تاکہ دونوں نیا سفر ایک ساتھ شروع کر لیں۔ اُس سے پھر ہمکلام ہوئی

ارے او دیئے! کیوں جی چھوڑ رہے ہو۔ صُبح کا نور اب ظہور ہونے والی ہے ذرا دم بھر کے لئے اور سختی برداشت کرتے جاؤ۔ بعد میں ابدی سکون حاصل کر کے اس کے ساتھ ہم وصل ہو جاؤ گے جس کی خاطر تو جلتا رہا اور آگ سہتا رہا

آخر کار حبہ خاتون کی حیات کا چراغ موت کی مخالف ہواؤں کی زد پر آچکا اس کی سانسیں اُکھڑ گئیں، نبضیں چھوٹ چلیں، زبان میں لُکنت آئی اور غم، بے بسی اور بے کسی کے عالم میں بجھتے ہوئے مٹی کے دیئے سے دم توڑتے توڑتے الوداعی اور آخری سوال پوچھنا چاہا لیکن زون کا ہر لفظ اور ہر جملہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہا اور کہا

طوفانی ہوا نے تجھے اُکھیڑ تو نہیں دیا ——— اِن الفاظ کے ساتھ ہی زون کی زندگی کا چراغ ہمیشہ کیلئے خاموش ہو چکا

وادیٔ کشمیر کی یہ بیٹی، جو چندرہ ہار کی بستی میں صدیوں پہلے جنم پا چکی تھی اور جس کی پرورش زعفران زاروں نے کی تھی، اُس موج کی طرح اپنی زندگی گزار چکی جو دریا سے تو اُٹھی مگر ساحل کے ساتھ کبھی ٹکرا نہ سکی۔

آج نہ وادیٔ کشمیر کی وہ خوبرو بیٹی زعفران کے پھول چُننے والی "زون" ہمارے درمیان موجود ہے اور نہ وہ عظیم خاتون ہے جسے ملکۂ حبہ خاتون کے نام سے یہاں کی تاریخ میں نمایاں مقام مِل چکا اور نہ وہ یوسف کشمیر، جس کی نظرِ انتخاب سے وہ شاہی محل کی زینت بنی تھی۔ مگر حبہ خاتون کا چراغِ حیات اب بھی اُسی طرح روشن ہے جس طرح کبھی عبدی راٹھر کی دیہاتی جھونپڑی اور پھر یوسف شاہ چک کے شاہی محل میں جگمگ جگمگ کرتا تھا۔

اُس زون کو اب بھی اس کے پردہ ہائے سخن میں دو بدو دیکھا جاسکتا ہے شرط نگاہِ دل اور ذوقِ سلیم رکھنے کی ہے

ع ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

تمّت

# تازہ قلم

"حبہ خاتون" نام کے اِس کتابچہ کی اشاعت کے تعلق سے میں یہ خاص بات عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ یہ مقالہ جب برس ۱۱ برس قبل قلمبند کیا گیا تھا جناب جی۔ایم میر طاؤس (مرحوم) پانپوری نے از راہِ کرم اِس کا تفصیلی دیباچہ تحریر فرما کر میری پذیرائی کر لی تھی لیکن غمِ جاناں اور غمِ دوراں دونوں مِل کر اِس کتابچہ کی اشاعت میں آج تک حائل رہے۔ حالانکہ سنہ ۱۹۷۰ء کے فوراً بعد میں نے جب تہنمت الصاری اور اکبر الصاری کی چار کتابیں تالیف کرنے کے علاوہ آج تک اپنی ایک درجن سے زائد اُردو و کشمیری کتابیں شائع کر لیں اور آج بڑے دِنوں کے بعد اِس کتابچے کو منظرِ عام پر لانے کی نوبت آئی، جب کہ اتنے برسوں میں قدروں کی اِس قدر شکست و ریخت ہوئی کہ کل کی "حقیقت" آج کا افسانہ بن چکا۔ میرے عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم سب کشمیری آج تک حبہ خاتون کو ایک طرح سے اساطیری کردار ہی سمجھتے رہے جس کی وجہ سے اُسے کبھی زُندہ ہار کے عبدی راٹھر کی بیٹی اور عزیز لون کی شریکِ حیات لکھتے رہے، کسی وقت بقول پیر غلام محمد حنفی چین کے بادشاہ ملک دار وب کی دختر اور کبھی حاجن کے داستان گو ملہ حبیب کی روایت کے مطابق للہ ہوم گاؤں میں سکونت پذیر ایک لداخی راجا کی بیٹی۔

لیکن جناب محمد امین کامل نے حبہ خاتون کے کارناموں اور حیات پر ۱۹۵۹ء کے بعد دوسری بار جم کر کام کیا، جس کے نتیجے میں اُن کی گراں قدر تصنیف

کُلیاتِ حبّہ خاتون ۱۹۹۵ء کے وسط میں کلچرل اکیڈیمی کی مساعیٔ جمیلہ سے شایع ہوئی۔ اِس کِتاب کے منظرِ عام پر آنے سے حبّہ خاتون کی زندگی کے کئی چھُپے ہوئے گوشے سامنے آ چکے، جن کے بارے میں ہم آج تک بالکل ناآشنا تھے۔

کامل صاحب نے زیرِ تذکرہ کلیات میں اگرچہ اس بات کا تفصیلی ذکر کیا ہے کہ اُن کے ایک شناسا سیّد محمد انیسؔ کاظمی صاحب چندپورہ (بڈگام) نے اس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ حبّہ خاتون اصل میں ایک سیّد گھرانے کی لڑکی تھی۔ چنانچہ کُلیاتِ حبّہ خاتون کی اشاعت کے بعد میں نے انیسؔ کاظمی صاحب کو بصد مُشکل اُس وقت کنٹیکٹ کرلیا جب وہ پچھلے سال بڈگام کے آغا سید محمد فضل اللہ صاحب کے ہمراہ میرے ایک قریبی ہمسایہ کے مہمان بن کر تشریف لائے تھے۔ انیسؔ صاحب کے دعویٰ کی توثیق کرنے کے تعلق سے جب میں نے اُن سے یہ بات چھیڑ دی کہ حبّہ خاتون کا سیّد گھرانے کی لڑکی ہونا کہاں تک دُرست ہے تو وہ تفصیلاً بولے کہ انھوں نے "گُلستانِ کشمیر" نام کا ایک قلمی مسودہ آج سے چھبیس[۲۶] سال قبل ۱۳۹۰ھ میں اندرکوٹ (سُمبل) سوناواری کے سید مقبول حسین الموسوی (مرحوم) سابق ایس ایچ او کے کُتب خانے میں دیکھ لیا تھا اور بچشم خود اس کا مطالعہ بھی کیا تھا اور وہاں ہی اس قلمی نسخے کے ایک حصے کی نقل بھی اُتاری تھی، جس کے مطابق حبّہ خاتون کو سید بہاء الدین عرف بہار شاہ ساکن موضع نیوہ، چھراٹ، ضلع پلوامہ کی بیٹی اور سید کمال الدّین ساکن جمالٹہ کی شریکِ حیات دکھایا گیا ہے۔ انیسؔ کاظمی کی بات سُن کر میں نے اُن سے عرض کیا کہ کیا وہ مجھے گلستانِ کشمیر کے اس اقتباس کی کاپی فراہم کریں گے تو انھوں نے اثبات میں جواب دے کر کئی ہفتوں کے بعد اس کی فوٹوسٹیٹ کاپی بھیجدی۔

---

[۱] حسب وعدہ میں نے شجرۂ نسب کے مطلوبہ اقتباسات پیش کرلئے امید ہے کہ اس پر لازمی اور موزوں/صفحہ ۵ پر

کامل صاحب نے "کلیاتِ حبہ خاتون" میں اس بات کی پوری وضاحت کرلی اور حق بجانب طور فرمایا ہے کہ جب تک "گلستانِ کشمیر" کا قلمی نسخہ ہاتھ نہ آجائے تب تک انیس کاظمی صاحب کے دعوی کو ایک مفروضہ ہی سمجھا جائے گا۔

انیس کاظمی صاحب کے ساتھ تفصیلی طور گفتگو کرنے کے بعد میں نے اندرکوٹ اور سری نگر جاکر مرحوم مقبول حسین کے وارثوں کے ساتھ رابطہ قائم کرلیا کہ آیا اُن کے والد کے پاس "گلستانِ کشمیر" نام کا کوئی قلمی نسخہ موجود تھا یا یونہی کوئی ہوائی اڑائی گئی ہے مرحوم سید مقبول کے قرابت داروں اور ورثاء خاص کر اُس کے فرزند نے جو آج کل سری نگر میں سکونت پذیر ہے نے پورے اعتماد کے ساتھ کہا کہ ہاں یہ دُرست ہے کہ اُن کے کتب خانے میں "گلستانِ کشمیر" کا قلمی نسخہ واقعی طور موجود تھا لیکن ستم ظریفی دیکھئے کہ جب وہ اپنے والد کی وفات کے بعد حالاتِ زمانہ سے مجبور ہو کر آج سے برسوں قبل اندرکوٹ کو چھوڑ کر سرینگر ہجرت کر چکا تو اثاثِ خانہ سری نگر منتقل کرنے کے دوران اس کے والد کا وہ قیمتی قلمی نسخہ کہیں اِدھر اُدھر کھو چکا۔ سید مقبول کے بیٹے کا کہنا ہے کہ وہ قلمی نسخہ اصل میں کشمیر میں سکونت پذیر ساداتِ رضویہ کا شجرۂ نسب ہے جسے مُلّا سید حسین المُلقب بہ حسام الدین نے آج سے لگ بھگ دو سو ساٹھ سال قبل ۱۱۴۶ھ مطابق ۱۷۳۶ء قلمبند کرلیا ہے۔

اُسی شجرہ کے مطابق سید بہاؤالدین عرف بہار شاہ کا دادا سید فخرالدین امدونن در

---

عملدرآمد ہوگا۔ مجھے اس بات کا زبردست دُکھ ہے کہ گلستانِ کشمیر کی نقل نہ کر پایا ہوں۔ اور یہ کہ مالک کتاب نے اس کی نقل کرنے کی اجازت نہ دی۔ ورنہ بہت سے اسرار سے واقفیت ہو جاتی۔

نیاز کیش: انیس کاظمی ، ۲۱ جون ۱۹۹۵ء

ینوہ چھراٹ پلوامہ) اور اُس کا بھائی سید فرید الدّین (مدفون در جمالٹہ سری نگر) ۷۶۶ھ کے دوران سید شہاب الدّین سلطان حیدر اُردبیلی الکُبروی کے ہمراہ کشمیر وارد ہوا تھا۔ یاد رہے کہ سُلطان حیدر حضرت میر سید علی ہمدانیؒ کا خواہرزادہ اور فرزند نسبتی تھا۔ سید فخر الدین اور سید فرید الدّین کا سلسلۂ نسب تیس اُنتیس پیڑیاں اوپر جاکر نویں امام حضرت محمد تقیؑ علیہ السلام تک جا پہنچتا ہے۔ جس کا گراف یوں ہے:

باسمہٖ تعالیٰ

ذکر بعض سادات رضویہ (بناء بر روایت "گلستانِ کشمیر" مُصنّفہ ملا محمد حسین الملقب بہ حسام الدین) سال تحریر ۱۱۴۸ھ

سید سلطان

سید فرید الدین صایم — سید مرسل — سید محسن — سید سلطان احمد — سید ضیاء الملک — سید اسماعیل

سید محمد اکبر — سید علاؤ الدین — سید ابراہیم — سید محسن — سید جعفر — سید البوالبقاء

سید ضیاء الدین راوندی — سید فخر الدین — سید رکن الدین — سید بہاء الدین عرف بہار شاہ

سید فرید الدین
مدفون در جمالٹہ سری نگر

سید جعفر
اولاد وے در ینوہ چھراٹ

بی بی حبیبہ عرف حبہ خاتون ملکہ سلطان یوسف شاہ چک

شہزادہ حیدر چک

سید باقر

محمد جعفر — بی بی بدیع الجمال

بی بی مریم — سید کمال (مدفون در جمالٹہ سری نگر)
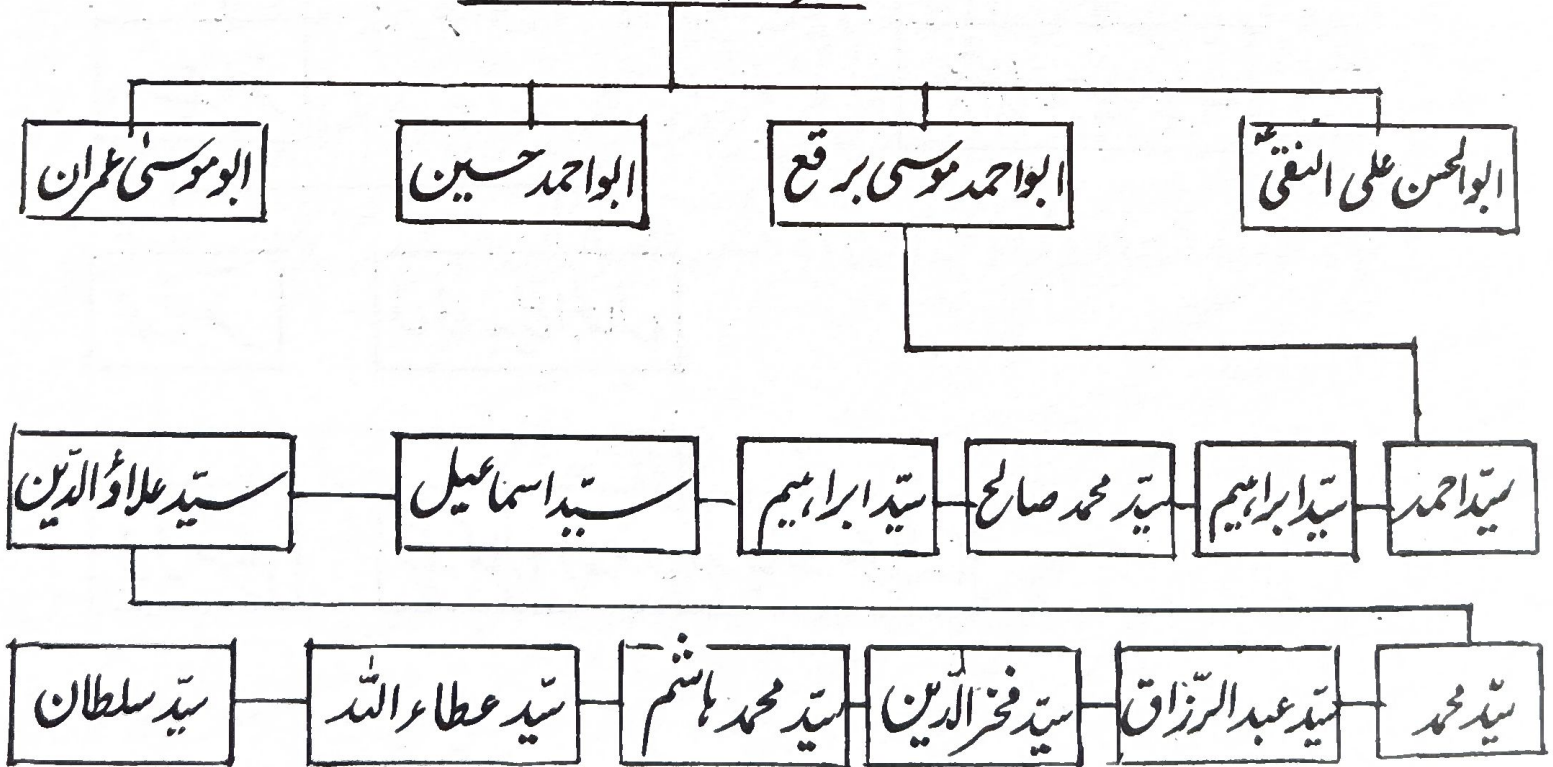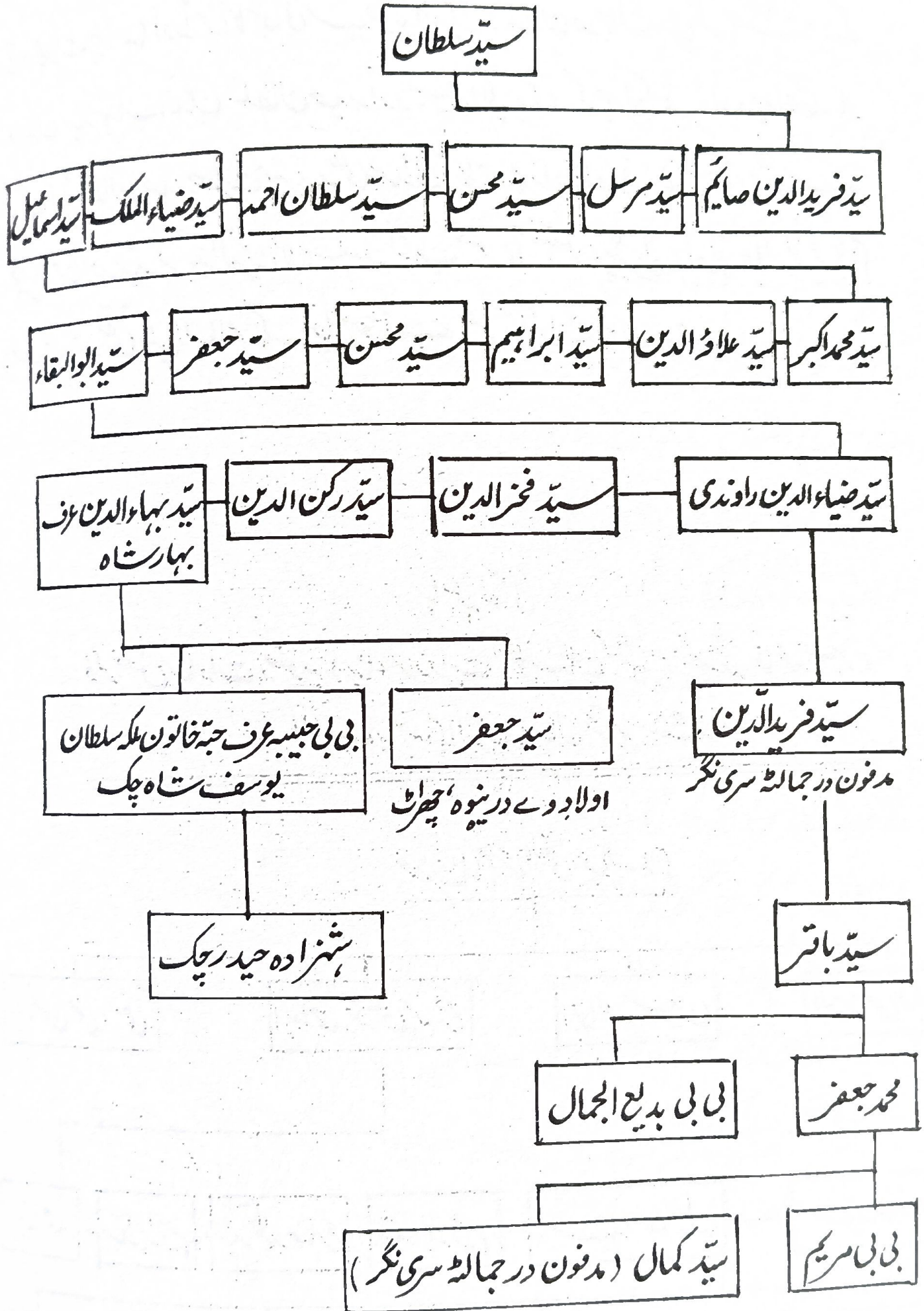
اسی شجرۂ نسب سے مطابق حبہ خاتون ینوہ چھراٹ کے

سید بہار شاہ کی بیٹی اور سلطان یوسف شاہ چک کی ملکہ تھی، جس کے بطن سے شہزادہ حیدر چک بیٹا پیدا ہوا تھا۔ سید فخر الدین کا بھائی سید فرید الدین جو جمالٹہ سری نگر میں سکونت پذیر تھا کا فرزند سید باقر کی اولادوں میں سید جعفر اور ایک بیٹی بی بی بدیع الجمال تھی اور سید جعفر کا بیٹا سید کمال اور بیٹی بی بی مریم بیگم (منکوحہ سید جعفر بتوہ) حبیبہ کی شادی سید کمال، جو اُس کا ماموں زاد بھائی بھی تھا کے ساتھ جمالٹہ میں ہوئی تھی۔ جبھی تو حبہ خاتون خود کہہ چکی ہے ۔

یارہ میؤن آسان جمالٹہ کمال لَس چھُم ناو

شجرۂ مذکورہ کے آخر پر مصنف نے عربی و فارسی زبان میں جو تشریح قلمبند کرلی ہے اُس کا متن ہے "بی بی بدیع الجمال دَر رشتہ بہاء الدین عرف سید بہار شاہ مُنسلک بُود و تولّد منہما ابن واحد و بنت المسمات بہ حبیبہ الشہیرۃ بہ حبہ خاتون و ماتت بدیع الجمال وَھی نفسآ و پس حبیبہ را کو کلتاش وَے عبدی راتھر زندہ ہار پرورش نمود فکانت عندہ حتیٰ بَلَغَت وھی عالمۃٌ وشائقۃُ الغناء والفنون اللطیفۃ، مناکحت وَے ہمراہِ سید کمال الدین برادرِ خالوی او انجام پذیرفت ولکن مزاجِ مریم خواہر شوہرش باوُ موافق نیامد و مفارقت نمود کما ذُکر. آلفاً (؟) فنکحھا نصیر الدین محمدؔ یوسف وکانت فی عق حتیٰ ماتت" ۔

انیس کاظمی صاحب نے اسی شجرہ کے ایک حصّے کو سید مقبول حسین موسوی ساکن اندر کوٹ کے کُتب خانے میں آج سے ایک رُبع صدی قبل دیکھ کر مندرجہ بالا اقتباس آغا سید علی موسوی ساکن زال پورہ اور اکبر بٹ "فباٹی" ولد کاظم زوار ساکن انگھکو (سوناواری) کے رُوبرو نقل کرلیا ہے۔ جس کا تذکرہ وہ اقتباس میں بھی کرچکا ہے۔ اس طرح سے صدیاں

گزرنے کے بعد تاریخ کا نقشہ تبدیل ہو کر باور کرنا پڑتا ہے کہ حبہ خاتون اصل میں چندہ ہار کی کوئی کسان زادی نہیں تھی بلکہ نیوہ چھراٹ پلوامہ کے ایک سید گھرانے کی دختر نیک اختر ہونے کے ناطے آلِ رسولؐ

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر "گلستانِ کشمیر" کو تسلیم بھی کر لیا جائے تو درمیان میں چندہ ہار کے عبدی راتھر کو کیوں کر حبہ خاتون کا والد بنایا جاسکتا ہے؟ میری دانست میں اغلب یہ ہے کہ بہار شاہ کے سید گھرانے میں چندہ ہار کے عبدی راتھر کی ماں اُن کی کنیز ہو چکی ہوگی اور جب حبہ خاتون کے والدین کا انتقال اُس کے بچپن میں ہی ہوا ہوگا تو وہی کنیز نومولود بچی کی پرورش کی ذمہ داری لینے کے نتیجے میں اُس کی انّا (دودھ ماں) نی ہوگی اور عبدی راتھر کو کلتاش (دودھ بھائی) اور انہوں نے بچپن ہی میں حبہ خاتون کو نیوہ چھراٹ سے یتیم ہونے کے بعد اپنے ساتھ چندہ ہار لیا ہوگا۔

مالنہ میائنی ارباب آسی        توّے پیوم ناو سیّد کوُر

(میرے میکے والے اونچی ذات کے لوگ تھے اسی وجہ سے میں سیّد لڑکی کہلائی)

انقلاباتِ زمانہ کے کارن حبہ خاتون نیوہ چھراٹ سے چندہ ہار پہنچ کر جہاں اُس کی تعلیم و تربیت ہوئی، بلوغیت کو پہنچی اور وہاں ہی سے اس کی شادی بعد ازاں اس کے ماموں زاد بھائی جمالٹہ کے سید کمال الدین کے ساتھ ہوئی مگر سید کمال کی بہن بی بی مریم کی حبہ خاتون کے ساتھ نہ بنی، جس کے نتیجے میں اِسے شوہر سے طلاق ملی۔ ظاہر ہے کہ کسی عورت کو جب طلاق دی جاتی ہے تو وہ لازمی طور اپنے میکے یا ننھیال میں واپس پہنچ جاتی ہے۔ اِس لئے حبہ خاتون کا اپنے ہی کوکلتاش کے گھر میں واپس چلے آنا ایک بدیہی بات ہے۔ اسی وجہ سے وہ طلاق پانے کے بعد چندہ ہار کے عبدی راتھر

کے گھر میں لوٹ آئی ہوگی کیونکہ اس کے بھائی سید جعفر، والدہ بدیع الجمال اور والد سید بہار تینوں کا انتقال اس کے بچپن میں ہی ہوا تھا اور چندہ ہار کے عبدی راٹھر کے سوا حبہ خاتون کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا نہ کوئی ایسا قرابت دار جہاں وہ مطلقہ ہونے کے بعد زندگی گزارتی۔ پھر بھی یہ ایک تحقیق طلب معاملہ ہے جس کی طرف ہمارے نوجوان تحقیق نگاروں اور مورخوں کو توجہ دینی چاہیئے تاکہ اس یگانۂ روزگار شاعرہ، مغنیّہ اور آخری خودمختار بادشاہ یوسف شاہ چک کی چہیتی ملکہ حبہ خاتون کی زندگی کے وہ گوشے اور پہلو سامنے آسکیں جو ابھی تک پردۂ اخفاء میں ہیں۔

# مصنف کی دیگر کتابیں

(الف) تالیف کردہ کتب

۱۔ فراق، کشمیری مجموعۂ کلام مرحوم تنہا انصاری ۱۹۷۱ء

۲۔ شبستان اردو مجموعہ کلام مرحوم تنہا انصاری ۱۹۷۲ء

۳۔ خاطر احباب اردو مکتوبات مرحوم تنہا انصاری ۱۹۷۴ء

۴۔ انصاف کشمیری ترجمہ انگریزی ناول جسٹس از جان گالزوردی مترجم اکبر علی انصاری ۱۹۷۴ء

(ب) طبع زاد ذاتی کتب

۱۔ علمدار، شیخ العالمؒ پر لکھے گئے کشمیری شعراء کے مناقب مطبوعہ کشمیر کلچرل آرگنائزیشن ۱۹۷۶ء

۲۔ کوشر لوو گرامر ۱۹۷۹ء

۳۔ کشمیری مین آف لیٹرس آف اردو، برائے شعبہ کشمیری کشمیر یونیورسٹی ۱۹۸۰ء

۴۔ گلنار، کشمیری مجموعہ کلام ۱۹۸۱ء

۵۔ کاشر مرثی برائے شعبہ کشمیری کشمیر یونیورسٹی ۱۹۸۲ء

۶۔ سوز کشمیری رسائی نظموں کا مجموعہ ۱۹۸۵ء

۷۔ اوکُس لوکُس کشمیری بچوں کی نظموں کا مجموعہ ۱۹۸۶ء

۸۔ لکہ کتھ جلد چہارم، مطبوعہ کلچرل اکادمی سرینگر ۱۹۸۸ء

۹۔ کاشر صنائع، کشمیری محاورات، ضرب الامثال وغیرہ کا مجموعہ ۱۹۸۹ء

۱۰۔ کشمیر کا روایتی فن تعمیر، برائے نارتھ زون کلچرل سنٹر پٹیالہ ۱۹۹۱ء

۱۱۔ نارون، کشمیری شعری مجموعہ ۱۹۹۲ء

۱۲۔ ترجمہ جگر مرادآبادی از ڈاکٹر ضیاء الدین انصاری مطبوعہ ساہتیہ اکادمی دہلی ۱۹۹۴ء

۱۳۔ سلسبیل، منظوم اردو ترجمہ شیخ العالمؒ، مطبوعہ ساہتیہ اکادمی دہلی ۱۹۹۵ء

۱۴۔ پروفیسر حاجنی مرحوم کشمیری مونوگراف مطبوعہ ساہتیہ اکادمی دہلی ۱۹۹۶ء

۱۵۔ حرفِ خوب (اردو مکاتیب کا مجموعہ) ۱۹۹۶ء

۱۶۔ بہ (خود نوشت کشمیری سوانح) زیرِ ترتیب

۱۷۔ ابلاغ کشمیری شعری مجموعہ زیرِ ترتیب

۱۸۔ کاشرِ ین مثنوی ین ہُند تاریخ زیرِ ترتیب

۱۹۔ کاشرِ اصنافِ سخن زیرِ ترتیب